اسلام قانون

اور

مظلوم پاکستانی عورت

محبت حسین اعوان

مکتبۃ البخاری

نزد صابری پارک، گلستان کالونی، لیاری کراچی

اسلام، قانون

اور

مظلوم پاکستانی عورت

محبت حسین اعوان

مکتبہ بُخاری۔ کراچی

نام کتاب : اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت

تالیف : محبت حسین اعوان

نظر ثانی : ملک نواز احمد اعوان، کراچی

کمپوزنگ : جنید احمد، کراچی

اشاعت : باراول اکتوبر ۲۰۰۲

تعداد : گیارہ سو

پروف ریڈنگ : ثناء اعوان، امبر اعوان

معاون : محمد ظفر اللہ جنجوعہ

ناشر : مکتبہ بخاری گلستان کالونی کراچی

قیمت : =/۱۳۵ روپے

اسٹاکسٹ

مکتبہ عمر فاروقؓ: ۴/۵۰۱ شاہ فیصل کالونی کراچی

ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ بخاری۔گلستان کالونی کراچی۔

۲۔ ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان، ۵۰۸ یونی شاپنگ سینٹر، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی۔ فون نمبر ۵۲۱۹۷۳۴، ۵۶۶۲۴۶۳

۳۔ علی بک ڈپو، ۵۴ اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر ۲۶۲۸۴۰۵

۴۔ فضلی سنز اردو بازار۔کراچی۔

انتساب

میں اس کتاب

"اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت"

کو اپنی پیاری بھتیجی

غوثیہ اعوان

جو حافظہ قرآن ہے اور جس نے حضرت ام ورقہؓ کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے رمضان المبارک کے دوران عورتوں کی نماز تراویح میں امامہ کی حیثیت سے جماعت کروائی

کے نام منسوب کرتا ہوں

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
(شعبہ تصنیف جامعۂ فاروقیہ کراچی)

زیر نظر کتاب، جناب محبت حسین اعوان صاحب نے "اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت" کے موضوع پر ترتیب دی ہے۔ خواتین کے موضوع پر اس وقت اسلامی کتب خانہ میں بکثرت کتابیں آرہی ہیں، اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں، بلاشبہ کسی بھی جہت سے ان پر انگشت نمائی کی گنجائش نہیں، مغرب نے "آزادئ حقوق نسواں" کا جو پر فریب نعرہ لگایا اور اس نعرے کا جس طرح پوری دنیا میں غیر معمولی پروپیگنڈہ کیا، اس سے بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی متاثر ہوئے، لیکن خود مغرب میں اس کا ردِ عمل یوں ہوا کہ خواتین میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے لیے دلچسپی بڑھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں اسلام کی اشاعت وقبولیت مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں کئی گناہ زیادہ رہی۔

یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام بلاضرورت گھر سے خواتین کے نکلنے کو پسند نہیں کرتا، ضرورت کے موقع پر اسلام نے خواتین کو نکلنے کی اجازت دی ہے اور اس ضرورت کا دائرہ کافی وسیع ہے، اگر کسی خاتون کو روزی کمانے، محنت مزدوری کرنے کے لیے گھر کی چار دیواری سے نکلنے کی ضرورت ہو تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، البتہ اس میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ باپردہ ہو کر نکلے، زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کا اس موقع پر غیر ضروری اظہار سے گریز کرے کیونکہ اس طرح وہ کسی فتنے میں مبتلا ہونے سے بچی رہے گی۔ لیکن عام حالات میں اسلام اس کے لیے بازار و مارکیٹ کے بجائے گھر کی چار دیواری پسند کرتا ہے کہ اس میں زمانے کی ہوسناکیوں سے اس کے محفوظ رہنے کی ضمانت ہے...... پھر ایک عورت بیوی کی حیثیت سے جب چراغ خانہ بن کے رہے گی تو اسے سکون اور روح کی تسکین کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جس کا تصور بھی مارکیٹوں، بوتیکوں میں بلاضرورت مصروفِ کار رہنے والی خواتین نہیں کر سکتیں، گھر کی چار دیواری سے اٹھا کر عورت کو جنس بازار بنانے

والے ممالک میں امریکہ سر فہرست ہے۔ وہاں کی معاشرتی زندگی میں خاندان کا ادارہ جس طرح تباہ ہوا ہے، اس کا اندازہ ان رپورٹوں سے لگایا جاسکتا ہے جو وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں، امریکہ میں ۱۹۵۰ء میں غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد چودہ اعشاریہ ایک فی ہزار تھی۔ ۱۹۸۸ء میں غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد بڑھ کر چونتیس اعشاریہ چار فی ہزار ہوگئی۔ ۱۹۵۰ء میں اسقاط حمل کی تعداد گیارہ لاکھ بارہ ہزار تھی۔ ۱۹۸۸ء میں اسقاط حمل کی تعداد بڑھ کر پندرہ لاکھ اٹھاسی ہزار پانچ سو اکیاسی ہوگئی۔ ۱۹۸۸ء میں ۱۵ سال سے کم عمر کنواری ماؤں کی ناجائز اولاد کی تعداد نو ہزار نو سو سات بچے ہے۔ ۱۵ سال سے ۱۹ سال کے درمیان کنواری ماؤں کے تین لاکھ بارہ ہزار چار سو نواسی ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ ۲۰ سے ۳۰ سال کے درمیان کنواری ماؤں کے ناجائز بچوں کی تعداد پانچ لاکھ سینتالیس ہزار دو سو ستر ہے۔ ۴۰ سال سے زائد عمر کی کنواری ماؤں کے ناجائز بچے چھ ہزار تین سو اکتالیس پیدا ہوئے۔

اس کے برعکس اسلام نے خاندانی نظام کو استحکام اور پائیداری بخشنے والی تعلیمات سے بہرہ ور کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں اقتصادی انحطاط اور جدید سائنسی ترقی میں پیچھے رہنے کے باوجود خاندان کا ادارہ بڑا مضبوط اور قابل رشک ہے۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کوئی عضو معطل نہیں ہے، بلکہ وہ معاشرے کی تشکیل میں ایک فعال کردار ادا کرنے والی صنف ہے، عہد نبوی اور عہد صحابہ کا معاشرہ، اسلامی تعلیمات کا حامل ایک آئیڈیل معاشرہ ہے، آپ اس معاشرے کی تاریخ پڑھیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس وقت کے معاشرے میں ازواج مطہرات اور صحابیات کا کس قدر بھرپور کردار رہا، غزوات میں خواتین شریک رہیں، حضرت ام عمارہؓ نے جنگ احد میں جس جاں نثاری کا مظاہرہ کیا، حضرت صفیہؓ نے غزوہ خندق میں جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا، غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ جس ولولے سے خنجر لے کر نکلی تھیں، عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر، حضرت ام لبانؓ، حضرت خولہؓ اور حضرت جویریہؓ نے جو داد شجاعت دی، وہ تاریخ اسلام میں مسلمان خواتین کے درخشاں باب کا ایک تابناک حصہ ہے اور اس سے مسلم معاشرے کی تشکیل میں عورت کے موثر کردار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ میدان جنگ میں پانی

پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، زخمیوں اور شہداء کو میدان سے اٹھا کر لے جانا، تیر اٹھا کر دینا، خورد و نوش کا انتظام کرنا، اسلامی سپاہ کو ہمت و شجاعت دلانا، میدان جہاد کے یہ تمام امور خواتین اسلام ہی انجام دیتی رہیں۔

اسلام کے نشر و اشاعت میں بھی خواتین نے بڑا اہم کردار ادا کیا، حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت فاروق اعظمؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ کی ترغیب پر ابو طلحہ آغوش اسلام میں آئے تھے، ام حکیمؓ کی ترغیب پر حضرت عکرمہؓ مسلمان ہوئے تھے اور ام شریک دوسیہؓ نے قریش کی عورتوں میں اشاعت اسلام کا موثر کام کیا تھا۔ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ سے بعض امور میں حضرت عمرؓ مشورہ کرتے تھے اور بعض انتظامات بھی ان کے سپرد کیے تھے۔

علمی کارناموں میں بھی صحابیات کا بڑا نمایاں کردار رہا، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا، حضرت عائشہؓ سے ۲۲۱۰ احادیث منقول ہیں، حضرت ام سلمہؓ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں، خطابات میں حضرت اسماءؓ بنت سکن کا خاص شہرہ تھا، خوابوں کی تعبیر میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس مشہور تھیں، طب اور جراحی میں حضرت رفیدہ اور ام عطیہ کو مہارت تھی، مسجد نبوی کے پاس حضرت رفیدہ کا جراح خانہ تھا، شاعری میں حضرت خنساء، حضرت عاتکہ اور ام ایمن کے نام مشہور ہیں، حضرت خنساء کا دیوان چھپ گیا ہے۔

یہ صرف عہد نبوی اور عہد صحابہ کی صحابیات کی چند مثالیں ہیں اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خیر القرون کے اسلامی معاشرہ میں خواتین کا کردار کیا تھا اور کتنا موثر تھا! بعض مسلم خطوں میں بعد کے ادوار میں عورت پر کچھ زیادہ سختی کی گئی اور عورت کو ایسی حدود و قیود میں محبوس کر کے رکھا گیا جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہ تھا، ہمارے آج کے اس جدید دور میں بھی کئی علاقے ایسے ہیں کہ وہاں خواتین کی تعلیم کو نقص شمار کیا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے اسے آپ اس خطے، اس علاقے کی رسم اور وہاں کی روایت کہہ سکتے ہیں، اسے

اسلام کا حکم قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔

محبت حسین اعوان صاحب نے خواتین سے متعلق قرآن وحدیث کے بعض احکام کی جو تشریح کی ہے اس میں کئی باتیں جمہور امت سے ہٹ کر تحریر کردی گئی ہیں، اگرچہ انہوں نے اپنی رائے کے لئے دلائل کا سہارا لیا ہے لیکن اس کے باوجود جمہور کے مقابلہ میں ان کی رائے کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، مثلاً عورت کی حکمرانی کے جواز میں مئولف نے دلائل جمع کیے ہیں لیکن جمہور اس کے قائل نہیں، اسی طرح قرآن کریم کی سورہ نساء کی آیت میں "واضربوھن" کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی درست نہیں، اس کے صحیح معنی وہی ہیں جو تقریباً تمام مفسرین نے کیے ہیں یعنی "تم ان عورتوں کو مار بھی سکتے ہو" لیکن ضرب سے یہ مراد نہیں کہ ان کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جائیں یا انہیں زخمی کردیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے تھوڑا بہت ہاتھ اٹھانے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس کی تصریح "غیر مبرح" کے الفاظ کے ساتھ کردی گئی ہے یعنی "ایسی مار جو تکلیف دہ اور زخمی کردینے والی نہ ہو"۔

جناب محبت حسین اعوان صاحب نے اپنی اس کتاب میں پاکستانی آئین اور یہاں کی معاشرتی قدروں کی روشنی میں حقوق نسواں کا جائزہ لیا ہے، انہوں نے واقعتاً اس کے لیے بڑا وسیع مطالعہ کیا ہے، پاکستان کے مختلف علاقوں اور قوموں میں عورت کے ساتھ روا رکھا جانے والے ظلم کی داستان بھی انہوں نے بیان کی ہے اور پاکستان کے عائلی قوانین میں خواتین کو جو رعایتیں دی گئی ہیں، ان کی بھی وضاحت کی ہے، کتاب کا یہ حصہ بڑا مفید اور اپنے موضوع کے حوالے سے منفرد ہے۔

جناب محبت حسین اعوان صاحب ایک کتاب دوست انسان ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ان کا شوق علم اور ذوق مطالعہ تروتازہ رہے، آباد رہے، شاداب رہے۔

ابن الحسن عباسی

شعبہ تصنیف جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

ڈاکٹر صائمہ اعوان

اسلام اور قانون نے پاکستانی عورت کو جو حقوق دیے رکھے ہیں ان پر کس حد تک عمل درآمد ہوتا ہے اس کتاب میں تمام حقائق کو خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں کا معاشرہ عورت سے صرف فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ حقوق نسواں کی بات پڑھے لکھے معاشرے میں ہی کی جاسکتی ہے۔ جس ماحول میں ہم جی رہے ہیں اس میں عورت کیا مرد کو بھی اپنے "حقوق" کا احساس نہیں۔ تعلیم عام ہو تو پھر حقوق العباد کی بات کی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں سچی بات تو یہ ہے کہ میرے ابو جان! اندھوں کے شہر میں آئینے بیچنے کی کوشش کررہے ہیں۔

بے شک یہ کتاب "اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت" ایک ایسی مشعل کی مانند ہے جسے گھٹا ٹوپ تاریکی، تندو تیز باد باراں میں جلائے رکھنے کی سعی کی جارہی ہو۔ اللہ کرے ظلم کی رات کے ساتھ ساتھ طوفان جہل کا بھی خاتمہ ہو اور یہ مشعل سورج کی آب و تاب میں بدل کر "حقوق نسواں" کے تحفظ کا ذریعہ بن جائے۔ آمین۔

ڈاکٹر صائمہ اعوان

کراچی

محمد ظفر اللہ جنجوعہ

میں نے کتاب "اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت" کا سرسری مطالعہ کرنا چاہا کیونکہ یہ میرا پسندیدہ موضوع نہیں، مگر کتاب کے دلچسپ موضوعات نے مجھے اپنی گرفت میں اس مضبوطی سے جکڑا کہ میں اسے حرف آخر تک پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ بعد میں احساس ہوا کہ یہ موضوع میرا پسندیدہ موضوع تھا جسے میں نظر انداز کرتا رہا۔

یقیناً یہ دلچسپ کتاب، پاکستانی عورت کی مظلومیت کے موضوع پر خوبصورت انداز میں لکھی گئی ہے۔ بلا مبالغہ مصنف نے جو باتیں اس کتاب میں کہی ہیں ان کے رد کیلئے کسی کے پاس کوئی وزنی دلیل یا ثبوت نہیں اور یہی بات اس کتاب کے منفرد ہونے کا ثبوت ہے۔

کتاب کی مقبولیت کے بارے میں میرا ذاتی خیال ہے کہ حقوق نسواں کے موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ثابت ہو گی۔ میں تبصرہ نگار نہیں ہوں اس لئے دل کی بات مختصر اور سادہ انداز میں کہہ دی کیونکہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

کتاب کے مصنف ملک محبت حسین اعوان سے میری شناسائی اور قرابت داری عرصہ دراز سے ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ ان سے میری دوستی تا دیر قائم رہے کیونکہ یہ انتہائی پیارے، پر خلوص اور خوش اخلاق انسان ہیں اور ایسے شخص سے دوستی ایک گوہر نایاب سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد ظفر اللہ جنجوعہ

کراچی

فہرستِ مضامین

تعارف

اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق کو خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان، جوڑے کی شکل میں پیدا کیا ہے تا کہ قانونِ زوجیت یعنی دو مختلف صنفوں کے باہمی تعاون سے کائنات مین جنس کی حیات کا سلسلہ جاری وساری رہ سکے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِباری تعالیٰ ہے،

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط

ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں تا کہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو (سورہ الذّٰریٰت آیت ۴۹)

اللہ رب العزت نے مرد و عورت دونوں کو خلقت، دینی فرائض کی ادائیگی، اعمال، سزاوجزا، قرب ومنزل اور انسان ہونے کی حیثیت سے برابری کا رتبہ عطا فرمایا ہے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ "دنیا کی تین پسندیدہ چیزوں میں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے جبکہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر آپؐ نے فرمایا "ایک نیک بیوی مرد کیلئے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے"۔ ماں کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے آپؐ نے بشارت دی "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔

میدانِ عرفات میں حجتہ الوداع کے موقع پر رسول خدا نے اپنے خطبے میں عورت کی عظمت اور صحیح مقام کا تعین فرمادیا اور مسلمانوں کو قیامت تک کیلئے ہدایت فرمادی کہ عورتوں کے حقوق سے غفلت نہ برتی جائے۔

میری ذاتی لائبریری میں عورت کے موضوع پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں پہلی مرتبہ انہیں تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سینکڑوں کتابوں میں محض چند کتابیں ایسی ہیں جن میں مسلمان مرد کے مقابلے میں مسلمان عورت کے حقوق اور ان کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ اکثر مفکرین نے عورت کے حقوق کی مرد کے مقابلے میں نفی کی ہے اور عورت کو مرد کی کھیتی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض مسلمان علماء، مسلمان

عورت اوراس کے حقوق کو مرد کے مقابلے میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ حقوق مرد کی طرف سے عورت کو خیرات کے طور پر دیئے جارہے ہیں۔ تاہم مختلف دانش وروں نے مشرقی عورت کی عظمت اور مغربی عورت کی ذلت، مسلمان عورت کی شان وشوکت اور غیر مسلمان عورت کی مسکنت و تنزلی کو جس انداز میں بیان کیا ہے اسے پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اگر بات تقابلی جائزہ کی ہو تو پھر مسلمان عورت کی شان میں قصیدے اس حد تک بڑھ چڑھ کر دلائل کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، مسلمان عورت کو اتنے زیادہ حقوق حاصل ہیں جو دنیا کی کسی دوسری غیر مسلمان عورت کو میسر نہیں اور نہ ہی ان حقوق کا تذکرہ ماسوائے مسلمانوں کی کتابوں کے کسی دوسری کتاب میں موجود ہے۔

دنیا کے تمام دساتیر عورت کے حقوق کی بات کرتے ہیں۔ یورپ کا پورہ معاشرہ انسانی حقوق کے گرد گھومتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہے اور یہ مملکت خداداد اسلام کے نام پر حاصل کی گئی۔ پاکستان کا آئین غیر اسلامی قوانین کی سختی سے نفی کرتا ہے بنیادی حقوق کے تحت مرد اور عورت کو مساوی حقوق حاصل ہیں لیکن عملاً پاکستان میں کیا ہورہا ہے ؟ عورت کو کتنے حقوق حاصل ہیں ؟ مسلمان عورت کی بحیثیت پاکستانی عورت کیا حالت ہے ؟ اس کتاب میں "اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت" میں پاکستانی عورت کی حالات زار کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں عورت کی پیدائش اور اس الزام پر کہ عورت کو مرد کی ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ مفروضہ غلط اور باطل ہے۔ عورت پر جو دوسرا الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت حواؑ کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا، کا بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں رد پیش کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد دنیا میں آباد ہونا تھا اسلیئے عورت پر الزام تراشی غلط ہے۔ اسلام اور قانون میں عورت کو بحیثیت بچی، بیٹی، بیوی اور ماں کیا حقوق حاصل ہیں اور پاکستانی عورت کو ان کے حقوق سے کس انداز میں محروم رکھا جارہا ہے اس کتاب میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

عورت اور مرد کے زیر عنوان، اسلام اور قانون کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت کو مساوی حقوق حاصل ہیں لیکن پاکستانی عورت کو مرد کے مقابلے میں نہ صرف مساوی حقوق حاصل نہیں بلکہ پاکستانی رسم ورواج میں ان حقوق کا تصور تک نہیں ہے۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے صوبہ جات میں عورتوں کے حقوق کی پامالی کس انداز سے کی جارہی ہے اس کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام اور قانون عورت کو جائیداد میں حق دیتے ہیں مگر رسم ورواج کی آڑ میں پاکستانی عورت کو جائیداد سے کس طریقے سے محروم رکھا جاتا ہے اس موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے۔

عورت اور پردہ، کے زیر عنوان اسلامی پردہ اور رسمی پردہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اس مضمون میں شرعی پردہ کی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسلام میں بے حیائی سے اجتناب مرد وعورت دونوں کے لئے لازم ہے لیکن پاکستانی مرد صرف عورت سے پردے کا تقاضہ کرتا ہے بلکہ اپنی پسند کا پردہ تجویز کرتا ہے اور خود کھلم کھلا بے حیائی کا مرتکب ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ رسم ورواج کی آڑ میں اسلام اور قانون کی کس طرح دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اس مضمون میں اس پر بھی کھل کر بحث کی گئی ہے۔

کیا عورت گواہ بن سکتی ہے؟ جج بن سکتی ہے؟ حکمران بن سکتی ہے؟ مقتدی وامام بن سکتی ہے؟ ان سوالات کو بھی قرآن وسنت اور قانون کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عورت ایک مرد کے مقابلے میں بطور گواہ عدالت میں پیش ہو سکتی ہے، جج بن سکتی ہے، حکمران بن سکتی ہے اور اپنے محلے کی مسجد کی مقتدی اور امام بھی بن سکتی ہے۔

اسلام اور قانون میں عورت کو مرد کے مساوی حقوق حاصل ہیں جبکہ پاکستانی رسم ورواج میں عورت کو لونڈی اور غلام سے بھی کمتر حقوق حاصل ہیں۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کی دیہاتی عورتوں پر تشدد کیا جاتا ہے انہیں مارا پیٹا جاتا ہے حتیٰ کہ ان کو قتل تک کیا جاتا ہے لیکن پاکستانی مظلوم عورت کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث، اسلامی روایات اور پاکستانی آئین وقانون کے حوالے سے عورت کے حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پاکستانی معاشرہ میں عورت کے ساتھ جو

سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور اس کے حقوق کی پامالی اور اس کی مظلومیت کی جیتی جاگتی تصویر کا مکمل احاطہ بھی کیا گیا ہے۔ آخر میں چند تجاویز پیش کی گئیں ہیں کہ پاکستانی عورت اپنے حقوق کس طرح حاصل کر سکتی ہے۔

اس کتاب میں اسلام اور پاکستانی قانون کے حوالے سے "عورت" کے حقوق کی نشاندہی اور صرف پاکستانی عورت کی مظلومیت و محرومیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لہذا اسے اسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔

کتاب کی ترتیب میں محترمہ تہمینہ گل چیئر پرسن لاء ڈیپارٹمنٹ، وفاقی گورنمنٹ اردو لاء کالج، کراچی اور ملک نواز احمد اعوان نے میری بھرپور راہنمائی اور مدد فرمائی جس کیلئے میں ان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

محبت حسین اعوان
کراچی

عورت کی پیدائش

عورت پر پہلا الزام

کہا جاتا ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد کی پسلی سے پیدا کیا ہے اور چونکہ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اس لئے عورت کی فطرت میں پیدائشی ٹیڑھا پن موجود ہوتا ہے چونکہ اسکی پیدائش مرد کی ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے اسلئے وہ مرد کے معاملے میں کمتر ہے۔ (۱) درحقیقت یہ نظریہ بائبل کا ہے جس کے بارے میں تمام مفسرین و مفکرین متفق ہیں کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ (۲) "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو گہری نیند سلا دیا جب وہ سو گئے تو انکی پسلیوں سے حضرت حواؑ کو عورت بنا کر حضرت آدمؑ کے پاس بھیجا" لیکن قرآن پاک جو ہر قسم کی تحریف اور شک سے پاک ہے، کی سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے (۳)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً

"تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔"

سید ابو الاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں آیت "اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(۴) "اسکی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے عام طور پر جو بات اہلِ تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پسلی سے حواؑ کو پیدا کیا گیا لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اسکی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ

---

(۱)۔ بائبل

(۲)۔ کتاب پیدائش، ۲=۲۱۔۲۲

(۳)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱

(۴)۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سورہ النساء، صفحہ نمبر ۳۱۹

نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو مجمل رہنے دیا جائے"۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تشریح کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ حضرت حوا (عورت) کی پیدائش حضرت آدمؑ کی پسلی سے کی گئی اور کسی حدیث میں بھی عورت کا آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہونا ثابت نہیں لہٰذا جو بات آسانی سے سمجھ آ رہی ہے اسے مجمل رہنے دینے میں آخر کیا حکمت ہے؟

اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے "اسلام اور عورت" کے مؤلف مالک رام لکھتے ہیں کہ (۱) "بعض لوگوں نے خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا کے وہی معنی لیئے ہیں جو کتاب پیدائش میں درج ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے عورت کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا" حالانکہ اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ تمام مخلوق ایک باپ کی اولاد ہیں یعنی ایک کی اولاد ہیں 'صرف مرد ہی نہیں' بلکہ عورتیں بھی اسی سے پیدا ہوئی ہیں۔ مِنۡهَا کی ضمیر اسی نفس واحدہ کی طرف راجع ہے جس سے خَلَقَكُمۡ کہا گیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ ان (ایک باپ کی اولاد) مرد اور عورتوں سے آگے نسل انسانی چلی ہے اس آیت سے کسی طرح بھی یہ معنی نہیں نکلتے کہ حوا' حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں کیونکہ یہاں خطاب عام ہے اس میں صرف آدم ہی نہیں بلکہ سب لوگ گزشتہ اور موجودہ' شامل ہیں اور یہ بالبداہت غلط ہے کہ سب عورتیں مردوں کی پسلیوں سے پیدا ہوئی ہیں' رہا ان حدیثوں سے تعلق جہاں ایک جگہ عورت کو پسلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور دوسری جگہ اسے پسلی سے پیدا شدہ مانا ہے (۲) تو یہاں بھی عام عورتوں کا ذکر ہے حضرت آدمؑ یا حواؑ کا نام تک نہیں' دراصل ان دونوں جگہ عورت کی تشبیہ پسلی سے دے کر اس کی فطرت کے ایک خاص پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے قطع نظر اس سے کہ بعض حضرات ایسی حدیثوں کو بالکل نظر انداز کر دینے پر اصرار کرتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی تھی۔ درحقیقت "عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے" عورت کی اس عادت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ضدی اور بے لچک

---

(۱)۔ مالک رام، اسلام اور عورت

(۲)۔ امام بخاری، کتاب النکاح، باب ۱۰۹، صفحہ نمبر ۹۹

فطرت لے کر آئی ہے اور جب کسی بات کا ایک اثر قبول کر لیتی ہے تو اس پر سختی سے قائم ہو جاتی ہے اور آسانی سے اپنی رائے بدلنے پر تیار نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں گویا وہ اس پسلی کی مانند ہے جو ایک طرف ٹیڑھی ہو کر دوسری طرف مڑنا نہیں جانتی۔ مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کی اس خصوصیت کا خیال رکھے اور اسکی صحیح رہنمائی کرے تاکہ وہ کوئی غلط اثر قبول نہ کرلے۔ نہ یہ کہ اسکی فطرت کے خلاف اسے کوئی کام کرنے پر مجبور کرے کیونکہ پسلی اور عورت دونوں کے سیدھا کرنے کا نتیجہ ایک ہی ہوگا کہ دونوں ٹوٹ جائیں گی۔ حدیث کے آخری الفاظ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے "اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو توڑ ڈالے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے"۔ پس یہ غلط ہے کہ حضرت حوا (عورت) مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی۔

حوّا اور آدمؑ

عورت پر دوسرا الزام

کہا جاتا ہے کہ حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو بہکایا اور انہوں نے گندم کا دانہ کھالیا جسکی وجہ سے وہ جنت سے نکال دیئے گئے۔ یہ نظریہ عیسائیوں کی مذہبی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اور آج تک اس تشریح کو قابل اعتماد سمجھتے ہوئے عورت کو مورد الزام ٹھہرایا جارہا ہے۔ مگر قرآن نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ ،(۱)

" یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ط

ترجمہ : اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں بفراغت جو کچھ تم چاہو کھاؤ لیکن اس "شجرہ" کے نزدیک مت جانا ورنہ تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے"۔

عربی میں "شجرہ" کے ایک معنی درخت اور ایک معنی نفاق کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دونوں کو نفاق کے نزدیک نہ جانے کی تلقین کی گئی تھی مگر "فازلهما الشيطن فاخرجهما مما كان فيه" شیطان نے ان دونوں کو بہکایا اور دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا۔ قرآن حکیم کی تمام تفاسیر کو پڑھ کر دیکھا جائے تو کہیں بھی یہ لکھا ہوا نہیں ملے گا کہ حضرت آدمؑ کو حضرت حواؑ کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ الزام سراسر غلط ہے کہ حضرت آدمؑ ایک عورت کے بہکانے کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ دونوں نے مل کر ایک حکم کی خلاف ورزی کی، دونوں کو برابر کا مورد الزام ٹھہرایا گیا، دونوں کو ایک ہی طرح کی سزا دی گئی اور آخر کار دونوں کو ایک ہی طرح سے معاف کر دیا گیا۔

---

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۳۵

قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو جنت میں ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں بلکہ ان کو دنیا میں رہنے کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم کی سورہ بقرہ میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا مفصل ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو یہ بتانا کہ، (۱)" اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط " یعنی "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں" اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کا مقصد دنیا میں رہائش اختیار کرنا تھا۔ لہٰذا حضرت حواؑ پر یہ الزام لگانا کہ ان کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجا گیا قرآنی آیات کی نہ صرف نفی ہے بلکہ عورت پر بہت بڑا بہتان ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں اور ان کی گرامر کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ عربی زبان کی گرامر دوسری تمام زبانوں سے مختلف ہے۔ عربی زبان میں واحد، جمع اور تثنیہ کے تین صیغے ہیں جبکہ دوسری تمام زبانوں میں واحد اور جمع دو صیغے ہوتے ہیں یعنی اگر فعل مذکر کیلئے ہے تو وہ مذکر ہی ہوگا جبکہ عربی زبان میں اگر فعل مذکر کیلئے استعمال کیا جائے تو اس میں مؤنث کو بھی شامل سمجھا جائے گا اور اگر فعل مؤنث کیلئے استعمال کریں گے تو اس میں مذکر شامل نہیں ہوگا بلکہ مؤنث ہی مراد ہوگا۔ قرآن کریم عربی زبان میں ہے اس میں جتنے بھی احکام ہیں وہ مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے یکساں ہیں لیکن جو احکام عورتوں کیلئے ہیں ان سے مراد صرف عورتیں ہیں ان احکامات میں مرد شریک نہیں۔ اگر ہم اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۰ (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً) کا جائزہ لیں تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے یہ فرمانا کہ "میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں" وہ اعلان تمام نسل آدمؑ کیلئے تھا اور اگر ہم اس بات کو بھی تسلیم کرلیں کہ یہ اعلان نسل آدمؑ کیلئے تھا تو اس اعلان کے مطابق نسل آدمؑ میں آدمؑ کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں یہ اعلان آدمؑ اور حواؑ یعنی مرد و عورت دونوں کیلئے یکساں تھا۔ کیا اس اعلانیہ مساواتِ مرد و زن سے کسی کو انکار ہے؟

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۳۰

عورت بحیثیت بچی

زمانہ جاہلیت کے عرب باپ کیلئے لڑکی کا پیدا ہونا بے عزتی سمجھا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا واقعہ قرآن کریم کی سورہ نحل کی آیت نمبر ۵۹ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اگر کسی کو یہ کہا جاتا کہ تمہارے گھر لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کا چہرہ غصے کے مارے سیاہ ہو جاتا تھا اور شرمندگی کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ ذلت و خواری کے ساتھ اسے اپنے پاس رکھوں یا اس کو دفن کر دوں؟"

افسوس ہے ان لوگوں پر کہ وہ بچی کی پیدائش پر کس قدر جاہلیت کا اظہار کرتے تھے۔

لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے، (۱)

"یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ لا"

ترجمہ: وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے" لڑکی اور لڑکا دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں پس ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لڑکی کا ذکر پہلے اور لڑکے کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ لڑکا اور لڑکی بطور انسان دونوں برابر ہیں اسکے لئے قرآن کی گواہی کافی ہے۔ سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، (۲)"خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

"اللہ تعالیٰ نے تم سب عورتوں اور مردوں کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔" مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں ہر لڑکی اور لڑکا ایک ہی متعین طریقے سے پیدا ہوتے ہیں گویا پیدائش

(۱)۔ القرآن، سورہ الشوریٰ، آیت نمبر ۴۹

(۲)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱

کے معاملے میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں بلکہ مساوات کا قدرتی عمل جاری وساری ہے۔

قانون

گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء (۱) جو اس وقت پاکستان میں نافذ ہے کی رو سے سرپرست اور والدین کا فرض ہے کہ وہ نابالغ بچوں کی قانونی سرپرستی کریں اور انہیں وہ تمام آسائشیں مہیا کریں جو ایک انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہیں۔ مسلم پرسنل لاء (۲) کے مطابق بچوں کی تحویل کے سلسلے میں بچوں کی عمر، جنس، ذہنی صحت اور بچے کی اپنی ترجیح کے علاوہ والدین کے کردار اور ان کا شادی شدہ ہونا یا نہ ہونا ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ سنی لاء کے تحت ماں کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی سن بلوغت تک پرورش کرے اور اپنے پاس رکھے جبکہ شیعہ لاء کے مطابق ماں کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو سات سال کی عمر تک اپنے پاس رکھے اور اسکی بہتر تربیت کرے۔

بیٹا یا بیٹی پیدا کرنا کسی کے دائرہ اختیار میں نہیں : سائنس کے اصول کے مطابق بیٹی یا بیٹا پیدا کرنا مرد یا عورت کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ موجودہ سائنسی تحقیقات نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ (۳) مرد کے مادہ تولید میں ایکس وائی (XY) دو قسم کے جرثومے ہوتے ہیں جبکہ ہر عورت کے مادہ تولید میں صرف ایکس ایکس (XX) جراثیم ہوتے ہیں اگر مرد کا ایکس (X) عورت کے ایکس (X) کے ساتھ ملاپ کرے تو غالباً لڑکی کا جلینئ بنتا ہے بصورت دیگر اگر مرد کا وائی (Y) عورت کے ایکس (X) کے ساتھ ملاپ

(۱)۔ گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء

(۲)۔ میاں منظور احمد، فقہ واصول فقہ۔

Principles of Mohammadan Law By D.F.Mulla

(3).Mary, P.Ryan,Womanhood in America from Colonial times to the present, P.3

کرے تو نتیجے میں لڑکے کا جنین بنے گا اور اگر مرد کے مادہ تولید میں صرف "ایکس" جراثیم ہوں اور "وائی" جراثیم موجود نہ ہوں یا مرد کا وائی (y) جراثیم کا ملاپ عورت کے ایکس (X) کے ساتھ نہ ہو سکے تو کسی بھی عورت کے ساتھ ملاپ کے نتیجے میں لڑکا پیدا نہیں ہو گا۔ اگر کوئی مرد چاہے کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور اس کے جسم میں "وائی" جراثیم نہیں ہیں تو لڑکا پیدا نہیں ہو سکے گا۔ پس اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکا یا لڑکی کی پیدائش خالقِ کائنات کے قبضہ قدرت میں ہے۔ "لڑکی" کی پیدائش کا الزام عورت کے سر تھوپنا سراسر زیادتی اور کھلی جاہلیت کی نشانی ہے۔

سائنسی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ (۱) "لڑکے یا لڑکی" کی پیدائش میں عورت یا مرد کا اپنا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ کائنات قدرت کا متعین طریقہ ہے جسکی تکمیل مرد اور عورت مل کر کرتے ہیں۔ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی پیدائش عورت کے بطن سے ہوتی ہے مرد سے نہیں اسلئے تخلیق کائنات میں جو رنگ ہیں وہ عورت کے وجود سے ہیں یقیناً اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا ویران و بیابان ہوتی۔

رسم و رواج

صوبہ پنجاب کے رسم و رواج (اندھیری آئی ہے تو مینہ بھی برسے گا) : پنجاب میں یہ رسم ہے کہ (۲) اگر لڑکا ہوتا ہے تو گڑ اور لڈو تقسیم کر کے رشتہ داروں اور برادری والوں کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے۔ لوگ مبارکباد دینے آتے ہیں اور بچے کو دیکھ کر اسے روپے دیتے ہیں۔ اگر لڑکی ہوتی ہے تو کسی کو اطلاع نہیں دی جاتی۔ جن لوگوں کو معلوم ہوتا ہے وہ افسوس کرنے آتے ہیں۔ اس موقع پر دیہات والے یہ کہتے ہیں کہ اندھیری آئی ہے تو مینہ بھی برسے گا یعنی لڑکی کے بعد اب لڑکا پیدا ہو گا۔

صوبہ سندھ میں منڈی کنڈی، ویڑھ اور دہل کی جاہلانہ رسوم : سندھ کے علاقوں

---

(۱)۔ ٹی وی پروگرام سی این این

(۲)۔ پروفیسر شاہد حسین رزاقی، پاکستانی مسلمانوں کے رسم و رواج

کے لوگ بھی لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں (۱) اور جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خوش نہیں ہوتے۔ آئندہ لڑکی نہ ہو اس کے لئے ٹوٹکا کرتے ہیں اور ایک چھلا دھاگے میں ڈال کر گلے میں پہنا دیتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور آئندہ لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں گے۔ لڑکی کو یہ چھلہ پہنانے کی رسم منڈی کنڈی کہی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو بڑی خوشی منائی جاتی ہے اور ایک لہر دار چھلہ لڑکے کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ لڑکوں کی پیدائش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس کو ویڑہ کہتے ہیں۔ منڈی کنڈی اور ویڑہ اس امتیاز کی علامت ہیں جو ان علاقوں کے لوگ لڑکیوں اور لڑکوں میں روا رکھتے ہیں۔ لڑکے کی پیدائش پر بڑی خوشی اور فخر کا اظہار کیا جاتا ہے اور میراثی ڈھول بجا کر اعلان کرتا ہے کہ لڑکا ہوا ہے۔ اس اعلان کو دہل کہتے ہیں اور اگر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کا اعلان نہیں کیا جاتا بلکہ خاموش رہنا مناسب خیال کیا جاتا ہے۔

صوبہ سرحد کے رسم و رواج : صوبہ سرحد (۲) کے پٹھانوں اور بلوچوں میں لڑکی کی قیمت وصول کر کے شادی کرنے کا عام رواج ہے اور ان کے لئے لڑکی ایک معاشی بوجھ نہیں ہوتی، لیکن وہ لڑکی کی پیدائش کو بجائے خود ایک بدنصیبی تصور کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کو لڑکی پیدا ہونے کی اطلاع تک نہیں دیتے اور کسی سے اس کا ذکر نہیں کرتے۔ لڑکی کی پیدائش پر نہ خوشیاں منائی جاتی ہیں اور نہ تقریبیں ہوتی ہیں اور نہ کوئی مبارک باد دیتا ہے۔

اس کے برعکس لڑکے کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ تمام گاؤں، قبیلہ والوں اور رشتہ داروں کو لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ عزیز اور دوست مبارک باد دینے آتے ہیں۔ گاؤں بھر کے لڑکے اور نوجوان اپنی بندوقیں ؟ لے کر خوب گاتے ہیں۔ سب لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ زچہ کی سہیلیاں بھی مبارک باد دینے جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کی خاطر مدارات کی جاتی ہے۔

(۱)۔ پروفیسر شاہد حسین رزاقی، پاکستانی مسلمانوں کے رسم و رواج

(۲)۔ پروفیسر شاہد حسین رزاقی، پاکستانی مسلمانوں کے رسم و رواج

صوبہ بلوچستان کے رسم ورواج : بلوچستان (۱) میں لڑکے کی پیدائش پر لوگ زیادہ خوش ہوتے ہیں اور لڑکی ہو تو خوشی کم منائی جاتی ہے۔ تاہم لڑکی کی پیدائش سے رنجیدہ نہیں ہوتے چونکہ تقریباً تمام قبائل میں روپیہ لے کر لڑکی کی شادی کرنے کا رواج ہے اس لئے یہ لوگ لڑکی کو اپنے لئے معاشی بوجھ تو نہیں سمجھتے لیکن لڑکے اور لڑکی میں امتیاز برتنے کی وجہ سے لڑکی کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے۔ گھر والوں کے علاوہ قبیلے کے لوگ بھی لڑکا پیدا ہونے کی خوشی مناتے ہیں اور بعض قبائل میں اس موقعے پر تلواروں کا ناچ ہوتا ہے۔

پشاور (۲) میں پیدا ہونے والی ایک ۸ سالہ بچی کے باپ کا تعلق صوبہ سرحد اور ماں کا لاہور سے تھا۔ میاں بیوی میں نہ بن سکی اور ماں اپنی بچی کو لے کر لاہور آگئی لیکن بعد ازاں شوہر اسے زبردستی چھین کر پشاور لے آیا۔ شوہر کا موقف تھا کہ اس کی بیوی بد چلن ہے، اس لئے وہ بچی کی اچھی پرورش کرنے کی اہل نہیں۔ بچی کو ماں سے بے حد پیار تھا اور وہ اپنے سخت گیر باپ کے پاس رہ کر شدید بیمار ہو گئی۔ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئی کیونکہ اسے ٹی بی ہو گئی تھی۔ وہ زندگی کے آخری لمحات گزار رہی تھی کہ کسی نے ماں کو بیٹی کی بیماری کی خبر کر دی۔ وہ بے قرار ہو کر پشاور پہنچی۔ اس وقت یہ بچی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی۔ اس نے اپنی ماں کی بانہوں میں دم توڑ دیا۔

پنجاب (۳) کے ایک زمیندار گھرانے کی لڑکی کی شادی شہر میں ایک بنک افسر سے ہوئی لیکن ۳ سال کے بعد علیٰحدگی ہو گئی۔ ڈیڑھ سال کی بچی باپ نے اپنے پاس رکھ لی جس پر ماں نے مقدمہ دائر کر دیا۔ جب سپریم کورٹ نے ماں کے حق میں فیصلہ دیا تو اس وقت بچی ۵ سال کی ہو چکی تھی۔ لیکن بچی دیہات کی حویلی میں خود کو ایڈجسٹ نہ کر سکی۔ اس نے ماں کی ممتا کو ٹھکرا دیا۔ شہر میں وہ تین کمروں کے مکان سے مانوس تھی۔ یہاں قلعہ نما مکان تھا۔ ماں نے جب یہ دیکھا کہ اسے جگر کا ٹکڑا قبول نہیں کرتا تو اسے مارنے لگی۔ بچی ہٹ دھرم ہو

---

(۱)۔ پروفیسر شاہد حسین رزاقی، پاکستانی مسلمانوں کے رسم ورواج

(۲)۔ جنگ سنڈے میگزین ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۳)۔ جنگ سنڈے میگزین ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء

گئی۔ اس کی ماں نے بالآخر دوسری شادی کرلی۔ لیکن اس سے پہلے اس نے تمام اخراجات لے کر بچی کو باپ کے حوالے کردیا۔ اس وقت تک بچی کی شخصیت مسخ ہوچکی تھی۔

دو بچیوں کی دلخراش داستان : ایک مقامی روزنامہ میں دو کمسن مظلوم بچیوں کی دلخراش داستان اس طرح بیان کی گئی ہے، (۱)

"رانی تقریباً ۱۴ برس کی اس مظلوم لڑکی کا نام ہے جو کچھ عرصہ قبل تک کراچی کے ایک پس ماندہ علاقے میں اپنے سات بہن بھائیوں کے ساتھ جیسے تیسے زندگی گزار رہی تھی۔ اس نے اپنے خاندان کی غربت اور والد کی علالت کے باعث چھ، سات برس کی عمر سے ہی گھریلو ملازمہ کی حیثیت سے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل وہ کراچی کے ایک امیر علاقے میں واقع بنگلے میں ملازمہ کی حیثیت سے فرائض ادا کررہی تھی۔ وہ روزانہ اپنی کچی عمر کے خوابوں کو توڑ کر خاندان کا پیٹ پالنے کے لئے گھر سے نکلتی تو راستے میں وہ بچوں کو کھیلتے، کودتے اور اسکول جاتے، دیکھتی ہوگی، تو یقیناً یہ سوچتی ہوگی کہ آخر میرا کیا قصور ہے، کہ میں اس کم عمری میں کھیلنے کودنے کے بجائے محنت مشقت کررہی ہوں اور صبح صبح اسکول جانے کے بجائے بنگلوں میں کام کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوتی ہوں۔ بہر کیف وہ وقت کی چکی کے پاٹوں میں پستی رہی اور عمر عزیز کے ماہ وسال گزرتے گئے۔ اس نے بچپن کی حدود سے نکل کر نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ہوس پرستوں کے سروں پر شیطان سوار ہوگیا۔ کچھ عرصہ قبل ایک ایسے ہی انسان نما شیطان نے اس پر اپنی ہوس پرستی کے تیر چلائے۔ ایک دن جب وہ گھر میں اکیلی تھی، جہاں وہ کام کرتی تھی تو اس کی مالکن کے بیٹے نے زبردستی اسے کوئی نشہ آور مشروب پلادیا۔ وہ درندہ صفت شخص پولیس کی وردی پہن کر بظاہر قانون کا رکھوالا بنا ہوا تھا لیکن درحقیقت وہ قانون کی دھجیاں اڑانے والا شخص تھا۔ مشروب پیتے ہی رانی بے ہوش ہوگئی اور جب اسے ہوش آیا تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اس ظالم نے اس بچی کو نہ صرف اپنی ہوس کا نشانہ بنایا بلکہ ہوش میں آنے کے بعد اسے ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ اگر اس نے اس واقعہ کا ذکر کسی سے کیا تو بہت برا ہوگا، لیکن رانی نے ہمت کرکے

---

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء

اس واقعہ کا ذکر مالکن سے کر دیا۔ یہ سننا تھا کہ مالکن اور اس کا بیٹا آپے سے باہر ہو گئے، دونوں نے رانی پر جی بھر کے تشدد کیا اور اسے متعلقہ تھانے میں بند کرا دیا۔ رانی لاکھ روئی پیٹی، طرح طرح کے واسطے دیئے مگر تھانے دار نے اسکی سچائی کا یقین نہیں کیا، مالکن اور اس کے بیٹے کے دباؤ پر اسے اس بات کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ چوری کا جھوٹا الزام قبول کر لے۔ اس مقصد کے تحت اس پر مزید تشدد کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے، ڈنڈوں سے پٹائی کی گئی، بال نوچے گئے کہ خون جاری ہو گیا۔ تھانے کے اہل کاروں کے علاوہ مالکن کے بیٹے نے بھی وہاں اس پر تشدد کیا، یہ ہی نہیں بلکہ اس کے والدین کو بھی تھانے بلا کر ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کی والدہ کو پانچ یوم تک تھانے میں بند رکھا گیا، والد سے کہا گیا کہ وہ رانی کو چوری کا الزام قبول کرنے پر راضی کرے، ورنہ اس کے سامنے اس کی بیٹی کو برہنہ کر کے جسم پر گرم پانی ڈال دیا جائے گا۔ ضعیف و ناتواں والدین کے لئے وہ لمحہ کسی قیامت سے کم تو نہ ہو گا، ان کی مجبوری پر تو آسمان نے بھی ماتم کیا ہو گا۔ بالآخر ایک مجبور و لاچار باپ کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں کی لاج رکھتے ہوئے رانی نے اپنا بیان لکھوایا، یعنی چوری کا الزام قبول کر لیا۔ اس بیان کے بعد اس کے والدین کو رہا کر دیا گیا، اور اسے چوری کے الزام میں خواتین جیل بھیج دیا گیا۔

ظلم کی چکی میں پسنے والی دوسری لڑکی کا نام شگفتہ ہے۔ اس کی کہانی بھی عجیب و غریب ہے، یعنی آزادی سے قید اور قید سے آزادی کی کہانی۔ پہلے اسے والدین کے سائے سے محروم کیا گیا، اور پھر جیل تک پہنچا دیا گیا۔ وہ صوبہ پنجاب کے کسی علاقے میں پیدا ہوئی، حالات سے لڑ کر بڑی ہوئی تو اس کے والدین نے محض چند ہزار روپوں کے عوض اسے خود سے جدا کر دیا۔ اس کے خریدار اسے سندھ لے آئے، یہاں اسے ایک بنگلے میں ملازم کرا دیا گیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے جو خود کو اس کا ماموں کہتا تھا، شگفتہ کو ڈرایا، دھمکایا اور مجبور کیا کہ وہ جس بنگلے میں کام کرتی ہے وہاں سے زیورات چوری کرے، مگر جب وہ قانون کی گرفت میں آ گئی تو اس سے فائدہ اٹھانے والے رفو چکر ہو گئے۔ یہ اوائل ۱۹۹۹ء کی بات ہے۔ شگفتہ کی عمر اس وقت تقریباً بارہ، ساڑھے بارہ برس ہے لیکن وہ جرائم پیشہ اور نشے کی عادی

خواتین کے ساتھ جیل میں رہنے پر مجبور ہے۔ اس جیسے نہ جانے کتنے بچے کہاں کہاں اور کن حالات میں قید ہوں گے۔ اس کیس کے بارے میں قانونی اور انسانی ہمدردی کے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ضیاء اعوان ایڈووکیٹ نے کہا "ان دونوں بچیوں کی ضمانت کی درخواست عابدہ بانو قاضی ایڈووکیٹ نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر داخل کی تھی، جس پر عدالت نے ایک بچی کو ۴۰ ہزار روپے اور دوسری کو ۲۰ ہزار روپے جمع کرانے کا حکم دیا جو وہ کسی بھی حال میں جمع نہیں کرا سکتی تھیں۔ ہم نے رانی کی والدہ اور شگفتہ سے گفتگو کرنے کے بعد ہائی کورٹ میں آئینی درخواست دائر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چونکہ ان دونوں کے مقدمات علیٰحدہ علیٰحدہ درج تھے، لہٰذا دو علیٰحدہ علیٰحدہ درخواستیں دائر کی گئیں، جن میں عدالت عالیہ سے درخواست کی گئی تھی کہ چوں کہ رانی اور شگفتہ کو جیل میں رکھنا غیر قانونی عمل ہے لہٰذا مجسٹریٹ کی جانب سے انہیں جیل بھیجنے کے حکم کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔

اس مقدمے کا ایک افسوس ناک پہلو اس وقت سامنے آیا جب دلائل کے دوران اس وقت کے ایڈووکیٹ جنرل سندھ نے ضیاء اعوان کو عجیب وغریب پیش کش کی۔ ضیاء اعوان بتاتے ہیں "ایڈووکیٹ جنرل سندھ نے عدالت کے روبرو مجھے یہ پیش کش کی اگر میں چاہوں تو ان دونوں بچیوں کو ذاتی مچلکے پر رہا کرنے کے لئے درخواست کر سکتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے دونوں آئینی درخواستیں بھی واپس لینا ہوں گی۔ میں نے اس پیش کش کے جواب میں دونوں بچیوں کے وکیل کی حیثیت سے عدالت سے یہ دوخواست کی کہ ہمیں عدالت سے یہ فیصلہ لینا ہے کہ آیا ۱۶ برس سے کم عمر کے بچے یا بچی کو جیل میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں، میں نے عدالت سے یہ درخواست کی کہ وہ دونوں بچیوں کو ذاتی مچلکے پر رہا کردے اور یہ استدعا بھی کی کہ ان دونوں بچیوں کو جیل میں رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ سندھ چلڈرن ایکٹ ۱۹۵۵ء کی روشنی میں عدالت خود کرے۔ دنیا بھر میں حکومتیں، عوام خصوصاً بچوں کی فلاح وبہبود کے لئے کوشاں رہتی ہیں، لیکن ہمارے ہاں اس سلسلے میں حکومتوں کے کردار کا اندازہ صوبائی حکومت کے وکیل کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ پیش کش اس لئے کی گئی تھی کہ ہم دونوں بچیوں کو ذاتی مچلکے پر رہا کرا لیں اور قانونی سوال نہ

اٹھائیں تاکہ حکومت جو چاہے وہ کرتی رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں لوگوں میں پولیٹیکل ول (Political Will) نہیں ہے، جو ملک و قوم کی ترقی کیلئے بہت ضروری عنصر ہوتا ہے۔ ایک سماجی تنظیم کی حیثیت سے ہم خواہ کچھ بھی کرلیں جب تک سیاسی طور پر بنیادی فیصلے نہیں کئے جاتے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی ہے۔

بہر حال عدالت عالیہ کے معزز جج صاحبان جسٹس صبیح الدین احمد اور جسٹس غلام ربانی نے اس مقدمے میں ایک تاریخی فیصلہ دیا جس میں انہوں نے یہ طے کردیا کہ صوبہ سندھ میں ۱۶ برس سے کم عمر کے بچوں کو کسی بھی حالت میں جیل نہیں بھیجا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ہوم سیکرٹری سندھ کو اس فیصلے کی نقل بھیجنے کا حکم دیتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ پریزن ایکٹ مجریہ ۱۸۹۴ء میں بچوں کو جیل میں رکھنے سے متعلق جو ہدایات موجود ہیں انہیں منسوخ کردیا جائے تاکہ جیل حکام کے ذہنوں سے مغالطے دور ہو جائیں۔ انہوں نے یہ بھی ہدایت کی کہ چونکہ صوبہ سندھ میں بچوں کے لئے خصوصی قانون سندھ چلڈرن ایکٹ مجریہ ۱۹۵۵ء کی شکل میں موجود ہیں لہٰذا جیل مینوئل میں دیئے گئے قوانین کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ملزم اور مجرم بچوں کے ساتھ اس ایکٹ کے تحت برتاؤ کیا جائے۔ عدالت نے ان دونوں بچیوں کو فوراً رہا کرنے کے سلسلے میں متعلقہ جوڈیشل مجسٹریٹ کو حکم دیا کہ وہ ذاتی مچلکے پر رانی اور شگفتہ کو بالترتیب اس کی والدہ اور عابدہ بانو قاضی ایڈووکیٹ کے حوالے کردیں۔ رانی تو فوراً اپنی والدہ کی ضمانت پر رہا ہو گئی لیکن بدقسمت شگفتہ رہائی کے احکامات دیئے جانے کے باوجود رہا نہ ہو سکی کیونکہ وہ شخص جو خود کو شگفتہ کا ماموں کہتا تھا اس کی گرفتاری کے بعد سے غائب ہو گیا اور شگفتہ کا کوئی عزیز بھی سامنے نہیں آیا۔ اس نے ملتان کے جو پتے بتائے تھے وہیں رابطے کئے گئے مگر کوئی کامیابی نہ ہو سکی، یہ اس داستان کا ایک دل خراش پہلو ہے"۔

دیہات سے شہروں تک ہر گھر میں لڑکی ''چھوٹی ماں'' کی حیثیت رکھتی ہے پہلی جماعت میں پڑھنے والی بچی گھر کی صفائی ستھرائی کے ساتھ برتن دھونے کیلئے موزوں ترین شخصیت ہوتی ہے۔ دوسری اور تیسری جماعت میں آکر وہ کمر پر چھوٹے بہن بھائیوں کو لاد کر

گھر اور باہر کے کام انجام دینے کی ''اہل'' گردانی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کے چھوٹے یا بڑے بھائی کی حیثیت ایک بے تاج بادشاہ کی سی ہوتی ہے جس کا کام کھیلنا کودنا اور پڑھنا ہوتا ہے۔

پاکستان میں پچھتر فیصد لڑکیاں چودہ سال یا اس سے بھی کم عمر میں بیاہ دی جاتی ہیں ابھی ان کے ہاتھ ٹھیک سے گڑیا کے کپڑے سینے کے قابل نہیں ہوتے کہ نئے ماحول میں جیتے جاگتے گڈے گڑیوں کی پرورش کرنے لگتی ہیں۔ یہ کم عمر مائیں جو زندگی کے بہت سے اصول نہیں سیکھ پاتیں، ناتجربہ کاری کے باعث اکثر اوقات نت نئے مسائل کا شکار ہو جاتی ہیں تعلیم کی کمی نہ تو ان میں اپنی صحت و صفائی اور بہتر خوراک کا شعور پیدا کرتی ہے اور نہ ہی بچے کی نگہداشت میں وہ زریں اصولوں کو پیش نظر رکھتی ہیں۔

نوری الہدیٰ (۱) کی عمر صرف دس سال تھی کہ اس کا نکاح شاہ خان سے کر دیا گیا۔ حق مہر ۲۵ ہزار روپے مقرر کیا گیا۔ برادری والوں نے نورالہدیٰ کے نکاح پر بڑی خوشیاں منائیں۔ نوری الہدیٰ تو گوٹے کناری کے کپڑے پہن کر ہی خوش تھی۔ اپنی ازدواجی ذمے داریوں کے بارے میں شاید اس نے سوچا بھی نہ ہو لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ والدین کا بوجھ ہلکا ہونے کے بجائے کچھ اور بڑھ گیا۔ طے یہ پایا تھا کہ رخصتی کچھ دنوں بعد ہو گی لیکن سال گزر گئے نوری الہدیٰ کے شوہر شاہ خان نے اپنی منکوحہ کی خبر تک نہ لی۔ انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ آٹھ سال بیت گئے بالآخر نوری الہدیٰ کو تنگ آکر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ نوری الہدیٰ نے اپنی درخواست میں تفصیلات یوں بتائی ہیں کہ ''شاہ خان سے میرا نکاح دس سال قبل ہوا تھا۔ نکاح کے بعد رسم ورواج کے مطابق میرے والدین اور برادری کے معززین نے کئی بار میری رخصتی کی تاریخ مقرر کرنے کی کوشش کی لیکن ہر بار شاہ خان کچھ نہ کچھ بہانہ کر دیتا۔ اس اثناء میں، میں نے بی اے کر لیا، ماں سے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی خواہش کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بس اب تمہاری رخصتی ہے۔ شاہ خان کو پیغام بھجوایا ہے کہ وہ تمہیں رخصت کر کے گھر لے جائے لیکن شاہ خان نے

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین ۸ مارچ ۲۰۰۰ء

نہ صرف یہ کہ ایسا کرنے سے انکار کردیا بلکہ وہ تو یہ بھی تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوا کہ مجھ سے اس کا نکاح ہوا ہے۔ فروری ۱۹۹۲ء میں نوری الہدیٰ کے والدین نے عدالت کے ذریعے شاہ خان کو ایک قانونی نوٹس بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو گھر لے جائے لیکن شاہ خان نے یہ کہہ کر پھر انکار کردیا کہ جس نے رشتہ جوڑا ہے ان سے بات کریں۔ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گا۔

شوہر کے مستقل انکار اور اپنی توہین کے احساس نے نوری الہدیٰ کو عدالت سے درخواست کرنے پر مجبور کردیا کہ بچپن کے اس نکاح کو ختم قرار دیا جائے۔ اس کا کہنا ہے کہ شوہر کے رویہ نے میرے دل میں اس کے لئے نفرت بھر دی ہے۔ اب میں خود مختار ہوں اور ایک آزادانہ زندگی گزارنے کا حق چاہتی ہوں۔

کیا یہ مجھ پر ظلم نہیں ہے کہ میرے شوہر نے مجھے اپنی بیوی تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے ؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نورالہدیٰ پر ظلم کس نے کیا؟ کیا صرف شوہر نے جو اپنی بیوی کو گھر نہیں لے کر گیا، یا نورالہدیٰ کے والدین بھی اس میں شریک تھے۔ جنہوں نے ایک معصوم بچی کو اس وقت نکاح کے بندھن میں جکڑ دیا جب سہیلیوں کے ساتھ اس کے گڑیوں کا بیاہ رچانے کے دن تھے۔

شاہدہ (۱) میٹرک کی ہونہار طالبہ تھی، سالانہ امتحان سے تین ماہ قبل اس کے والدین نے اچانک بیٹی کی شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ شاہدہ حیران رہ گئی۔ اس کے رونے پیٹنے کے باوجود امتحان سے قبل ہی اس کی شادی کردی گئی۔ لڑکے والے انتظار نہیں کر سکتے تھے اور شاہدہ کے والدین کا خیال تھا کہ اچھے رشتے پر تعلیم کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ کم عمری میں شاہدہ پر گھریلو ذمے داریاں آپڑیں تو وہ بوکھلا گئی۔ ساس نندوں کے پھوہڑپن کے طعنے اور شوہر کے رویے نے دو ہی سال میں اس کو والدین کے گھر لا بٹھایا، اس کی ایک بیٹی ہے۔ شوہر نے بیٹی کی ذمے داریاں اٹھانے سے انکار کردیا اب شاہدہ میٹرک کے

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین ۸ مارچ ۲۰۰۰ء

امتحان کی تیاریاں کر رہی ہے۔

یہ کہانیاں کوئی نئی نہیں ہیں۔ ایک دو نہیں ہزار ہا گھروں کی ہیں جہاں خواتین اپنے حقوق اور قانونی تحفظات سے ناواقفیت کی بناء پر مصیبت کے دن کاٹ رہی ہیں۔ طلاق، کم عمری، زبردستی کی شادی، مرد کی دوسری شادی وغیرہ کے بارے میں عائلی قوانین میں اہم دفعات ہیں جن سے واقفیت خواتین کو اپنے تحفظ میں مدد دے سکتی ہے۔

عورت بحیثیت بیٹی

احادیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ بیٹیوں کی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کو اچھی تعلیم وتربیت بھی دی جائے اور ان کے ساتھ نہایت شفقت وپیار کا سلوک کیا جائے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(۱) جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم و تربیت دی اس کیلئے جنت ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(۲) جس شخص کے لڑکی ہو وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ ہی اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(۳) "لڑکیوں سے نفرت مت کرو، وہ تو غم خوار اور بڑی قیمتی ہیں"۔ بچی کے ساتھ حسن سلوک کی یہ وہ تعلیم ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اسلامی قانون کی رو سے بیٹی کا نفقہ اسکی شادی ہونے تک باپ پر واجب ہے۔ 14835

اس امر میں امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ بچہ کی پرورش کی مستحق سب سے پہلے اس کی ماں ہے۔ دوسرے رشتہ داروں کا درجہ اس کے بعد ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس لڑکے یا لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو کتنی عمر تک ہے؟

امام ابو حنیفہ (۴) کے نزدیک جب لڑکا خود کھانے پینے، لباس پہننے اور استنجا کرنے لگے تو اس کی پرورش کا حق ماں سے باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لڑکے کی اس حالت کو

(۱)۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامی ورداہ، ترمذی شریف

(۲)۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی

(۳)۔ بخاری شریف

(۴)۔ مولانا مجاہد الاسلام، جدید فقہی مباحث۔

پہنچنے کی عمر کا اندازہ علامہ خصاف (۱) نے سات آٹھ سال بیان کیا ہے۔ البتہ ماں کو لڑکی کی پرورش کا حق اس کے بالغ ہونے تک ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام محمد (۲) کے نزدیک جب لڑکی میں نفسانی خواہش ظاہر ہو تو اس وقت تک ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے۔ متاخرین احناف نے امام محمد کے قول کو پسند کیا ہے۔

امام مالک (۳) کے نزدیک ماں کو لڑکے کی پرورش کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ لڑکا واضح طور پر بات چیت کر سکے اور لڑکی کا شادی ہونے تک۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل (۴) کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کی پرورش کا حق دونوں کی سات سال عمر ہونے تک ماں کو حاصل ہے۔ اس کے بعد بچے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ماں اور باپ میں جس کو پسند کرے اس کے سپرد کر دیا جائے۔

شیعی فقہ (۵) کی رو سے ماں کو لڑکے کے متعلق دو سال اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق حضانت حاصل رہتا ہے۔ جب بچے مذکورہ بالا عمر کی حد کو پہنچ جائیں تو باپ کو حق حضانت حاصل ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں اہلسنت والجماعت کا مسلک صواب سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ نابالغوں کی مصلحتیں بھی اسی کے متقاضی ہیں اور اسی بنیاد پر قانون سازی مناسب ہو گی۔

---

(۱)۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث

(۲)۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث

(۳)۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی، آپ کے مسائل اور ان کا حل

(۴)۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، فتاویٰ دار العلوم دیوبند

(۵)۔ فقہ و اصول فقہ، میاں منظور احمد۔

Principles of Mohammadan Law By D.F.Mulla

قانون

گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء (۱) جو اس وقت پاکستان میں نافذ ہے کی رو سے نابالغ بچوں کی قانونی سرپرستی کا حق باپ کو حاصل ہے۔ مسلم پرسنل لاء (۲) کے مطابق بچوں کی تحویل ماں کو دی جاتی ہے۔ تحویل کے سلسلے میں بچوں کی عمر، جنس، ذہنی صحت اور بچے کی اپنی ترجیح کے علاوہ والدین کے کردار اور ان کا شادی شدہ ہونا یا نہ ہونا ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے سنی لاء (۳) کے تحت ماں اپنی بیٹی کو سن بلوغت تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے جبکہ شیعہ لاء (۴) کے مطابق ماں اپنی بیٹی کو سات سال کی عمر تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ قانون امتناع ازدواج اطفال ۱۹۲۹ء (۵) کے مطابق سولہ سال سے کم عمر لڑکی کی شادی غیر قانونی ہے خلاف ورزی پر نکاح خواں اور لڑکی کے سرپرست جس کی مرضی سے نکاح ہوا قید اور جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔

رسم ورواج

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر شوہر بے کار و بدکردار ہو تو بچوں کا تمام تر بوجھ عورت پر ڈال دیا جاتا ہے اور اگر شوہر صاحب حیثیت ہو تو تمام بچوں کو زبردستی اپنی تحویل میں کر لیتا ہے یہاں تک کہ ماں اپنے بچوں سے مل بھی نہیں سکتی۔ جن علاقوں میں ولور کی رسم بد موجود ہے وہاں مذہب کو دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی قانون کو بلکہ لڑکیاں باپ کی تحویل میں رہتیں ہیں تاکہ وہ ان کی شادی کے بدلے میں رقم وصول کر سکے۔ ایسی صورت میں لڑکی کی حیثیت

---

(۱)۔ گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء

(۲)۔ فقہ و اصول فقہ، میاں منظور احمد۔

Principles of Mohammadan Law By D.F.Mulla

(۳)۔ گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء

(۴)۔ گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء

(۵)۔ قانون امتناع ازدواج اطفال ۱۹۲۹ء

منقولہ جائیداد کی طرح ہوتی ہے جو سراسر ظلم اور ناانصافی ہے جس کا ذمہ دار صرف مرد ہوتا ہے۔

نابالغ بچیوں کی شادیوں کی رسوم: موجودہ دور میں بھی (۱) تربت (بلوچستان) بنوں، دیر، سوات، کوہستان اور چترال (سرحد) کے علاقوں میں لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل کی شادیاں عام ہیں اور مرد، جس کے ساتھ نابالغ لڑکی کی شادی کی جاتی ہے اپنا حق سمجھتا ہے کہ جب چاہے حق زوجیت حاصل کر لے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں بچپن کی شادیاں دونوں جانب کے مرد حضرات باہم رضامندی سے ختم بھی کر سکتے ہیں لیکن ضلع بنوں میں یہ گنجائش موجود نہیں۔ ایک مرتبہ شادی کی زبان ہوگئی تو بس وہ ختم نہیں کی جا سکتی۔

بچپن کی شادی کی کوئی بھی وجوہات ہوں ان سب کے ذمہ دار صرف اور صرف مرد حضرات ہوتے ہیں۔ نابالغ بچی کو نکاح میں لینے والا ایک مرد ہوتا ہے جو بقائمی حوش و حواس ایجاب و قبول کرتا ہے۔ اس رشتہ کو قائم کرنے کیلئے نکاح خواں ایک مرد ہوتا ہے اور دو گواہان بھی مرد صاحبان ہی ہوتے ہیں ان سب مردوں کو سزا دینے کیلئے قانون موجود ہے مگر آج تک کسی ایک بھی بالغ شوہر کو ایک ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہم سب جانتے ہیں، انصاف اور عورت کے درمیان مرد دیوار بن جاتے ہیں اور اگر کوئی عورت اس دیوار کو عبور کرنے کی کوشش کرے تو اسے اپنے باپ اور اپنے مجازی خدا کی توہین کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے یہ وہ گناہ ہے جسکی سزا موت بھی ہو سکتی ہے اس جرم میں شریک تمام مرد حضرات ہیک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ قانون بڑا ہے یا اسلام؟ کیا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شادی رسول اکرم ﷺ سے سن بلوغت سے قبل نہیں کر دی گئی تھی؟ حالانکہ حضرت عائشہؓ کی شادی رسول اکرمؐ سے سن بلوغت کے بعد ہوئی تھی تاہم مختلف روایات موجود ہیں اسلئے اس بحث میں الجھنے کے بجائے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا کوئی ایسا شوہر اس کائنات میں موجود ہے جو رسول اکرم ﷺ کی خاک پا

(۱)۔ ادارہ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

تک پہنچ سکے ؟ کیا حضرت عائشہؓ کی شادی کے بعد اس زمانے میں تمام بچیوں کی سن بلوغت سے قبل شادیاں کر دی گئی تھیں ؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں حضرت عائشہؓ کی شادی کا عام حالات میں قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔

بیٹی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار : عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچی کی پیدائش پر اکثر مرد حضرات ناخوش نظر آتے ہیں اور اگر یکے بعد دیگرے ایک ہی ماں سے بچیاں ہی پیدا ہوتی رہیں تو پھر معاملہ سنگین ہو جاتا ہے بعض جاہل قسم کے مرد ایسی عورت کو جو صرف بچیاں پیدا کر رہی ہو طلاق دے دیتے ہیں یا پھر اسکی موجودگی میں بیٹا پیدا کرنے کیلئے دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ مشاہدہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ اکثر دوسری یا تیسری شادی کرنے کے بوجود لڑکا پیدا نہیں ہوا بلکہ لڑکیاں ہی پیدا ہوتی رہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن بچیوں کی پیدائش کا ظاہری سبب تو ایک مرد ہوتا ہے ، ان کو موردالزام کیوں ٹھہرایا جاتا ہے اور ان کی حق تلفی کیوں کی جاتی ہے ؟

بیٹی کی تعلیم کی جانب عدم توجہی : اگر لڑکا ہو تو اسکی تعلیم کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جاتا ہے مگر لڑکی کو اس طرح کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آسائشیں مہیا نہیں کی جاتیں جبکہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کیلئے تعلیم حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ تمام بچیاں جو زیور تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں اس میں ان کے باپ کا قصور ہوتا ہے اور یہ باپ ایک مرد ہوتا ہے۔ اگر کوئی عورت ان پڑھ یا ناخواندہ ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ ایک مرد نے اس کو تعلیم کے حق سے محروم رکھا۔ ایک جاہل عورت سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسکی تربیت بہتر انداز سے نہیں ہوتی اور اسطرح ایک ایسا معاشرہ معرض وجود میں آجاتا ہے جس میں شر کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ یقیناً ایسے شر کی ذمہ داری اس مرد پر عائد ہوگی جس نے اس ماں کو جب وہ اس کی بیٹی تھی زیور تعلیم سے محروم رکھا۔

عورت بحیثیت بیوی

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،(۱)

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

وہ تمہاری بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو۔"

یعنی جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہو سکتا، بلکہ دونوں کا باہمی تعلق واتصال ہوتا ہے، اسی طرح بیوی اور شوہر کا تعلق ہے اور اس تعلق سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دونوں میں بحیثیت شوہر یا بیوی کوئی فرق نہیں دونوں مساوی وبرابر ہیں۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، انوار القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (۲)"میرے خیال کے مطابق یہ آیت قرآنی معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں کوئی ادیب یا محقق عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے اس سے اچھا جملہ شاید ہی لکھ سکے بلکہ وہ یقیناً نہیں لکھ سکے گا۔ قرآن پاک نے مرد وزن دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے، جس طرح لباس انسان کا دفاع کر کے اسے گرمی اور سردی سے بچاتا ہے۔ لباس انسانی جسم سے قریب ترین چیز ہوتا ہے اور انتہائی قرب کی علامت ہوتا ہے، لباس انسان کی عزت کی علامت ہوتا ہے۔ کسی شخص کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا اسکی عزت پر ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ لباس انسان کی زینت بھی ہوتا ہے یہی تمام کام میاں، بیوی بھی ایک دوسرے کے لئے سرانجام دیتے ہیں۔ مرد وزن مشکلات میں ایک دوسرے کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی برائیوں اور خامیوں کی پردہ پوشی بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی پہچان اور زینت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کیلئے انتہائی قرب، محبت اور عزت کی علامت اور ان کا محکم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن پاک نے مرد وزن میں اس

---

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۷

(۲)۔ ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، انوار القرآن، صفحہ نمبر ۹۰

لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھااور کہاکہ جو حقوق مرد کے عورت پر ہیں، وہی عورت کے مرد پر ہیں"۔

قرآن حکیم میں مزید بیان فرمایا گیا، (۱)

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

جو مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں، وہی عورتوں کے مردوں پر ہیں"

یعنی نہ تو مردوں کے کوئی خصوصی حقوق ہیں نہ عورتوں کے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسلام بیوی اور شوہر کے درمیان مساوات کا قائل ہے کیونکہ جس نفس واحدہ سے شوہر کو پیدا کیا گیا ہے اسی نفس واحدہ سے بیوی کو بھی پیدا کیا ہے۔ جس طرح شوہر اس نظام کائنات کا ایک ضروری عنصر ہے اسی طرح بیوی بھی اس نظام کائنات کی ایک ضروری عنصر ہے۔ جس طرح شوہر کو ایک خاص مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح بیوی کو بھی ایک خاص مقصد کیلئے پیدا کیا ہے۔ جس طرح شوہر قدرواحترام کا مستحق ہے اسی طرح بیوی بھی قدرواحترام کی حقدار ہے۔ جس طرح شوہر کچھ خاص قابلیتیں اور قوتیں لے کر پیدا ہوا ہے اسی طرح بیوی بھی کچھ مخصوص قوتیں اور خاصیتیں لے کر پیدا ہوئی ہے۔ جس طرح شوہر اپنے کچھ خاص جذبات و فطری مقتضیات اور مطالبات رکھتا ہے اسی طرح بیوی بھی اپنے کچھ خاص رجحانات و میلانات اور فطری مطالبات رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک فطرت کے ضابطوں کے تحت اپنی اپنی حدود کے اندر یکساں آزادی اور یکساں پابندی کا حامل ہے۔

"لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط

مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائیں گے اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی"

اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ قدرت کی طرف سے جو خصوصیات عورت و مرد کو حاصل ہوئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

---

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۲۲۸

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،(۱)

بلکہ اس فضیلت میں مرد و عورت دونوں برابر کے حصہ دار ہیں قدرت نے شوہر کے اندر تخلیق وایجاد کا جو جوہر عطا کیا ہے وہی تخلیق وایجاد کا جوہر بیوی کو بھی عطا کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس طرح درج کیا ہے (۲)"اسماء بنت یزید انصاریہ ایک مشہور دیندار اور عقل مند صحابیہ اور مشہور صحابی حضرت معاذؓ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گزارش کر رہی ہوں، عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کر لیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں، مرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے جائیں، وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں، تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ ہم کو حصہ ملے گا؟ آنحضرت ﷺ ان کی یہ فصیح وبلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کے بابت سوال کیا ہو؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں یارسول اللہ، اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت اسماء کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا، مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم

(۱)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۳۲

(۲)۔ مولانا امین احسن اصلاحی، پاکستانی عورت دوراہے پر

نے بیان کئے ہیں۔ حضرت اسماء رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں" درحقیقت کوئی بھی شوہر جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری توتیں صرف نہ کرے۔ میدانِ جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد ہی کا ایک پرتو اور شوہر کی یکسوئی بیوی کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے۔ اسلئے اگر کوئی شوہر خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مرد ہی نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ اسکی بیوی بھی مصروف پیکار ہے جس نے اپنے شوہر کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سبکدوش کر کے اس میدانِ جنگ کے لئے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہو کر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری نہیں بلکہ دونوں یکساں ضروری ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے اور دونوں میاں بیوی اس جہاد میں برابری کے حامل ہیں۔

قانون

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق پاکستان کے تمام شہریوں کو آزادی اور زندگی کا تحفظ بہم پہنچایا گیا ہے کسی بھی فرد کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان نعمتوں سے محروم نہیں کیا جا سکتا(۱) سوائے ایسی صورت کے جس کی دستور اجازت دیتا ہو۔ موجودہ دستور میں شہریوں کو گرفتاری اور حبس بیجا سے بھی تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور گرفتار شدہ فرد کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اسے مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر ۲۴ گھنٹوں کے زیادہ حراست میں نہیں رکھا جا سکتا۔ پاکستان میں غلامی کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی اسے رائج کرنے کے لیے کسی قسم کا کوئی قانون بنایا جا سکتا ہے اس طرح بیگار اور انسانوں کی خرید و فروخت ہر طرح سے ممنوع ہے۔ چودہ سال سے کم عمر کے بچوں سے سخت مشقت نہیں لی جا سکتی۔ کسی فرد کو ایک ہی جرم کے سلسلے میں دوبارہ سزا نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اسے اپنے خلاف گواہی پر مجبور کیا جائے گا۔ موجودہ دستور میں پاکستان کے تمام شہریوں کے

(۱)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، آرٹیکل نمبر ۲۵

وقار کے تحفظ کی بھی ضمانت دی گئی ہے لیکن تحفظ صرف قانون کے دائرے میں حاصل ہوگا اس طرح افراد کو ذاتی اور گھریلو زندگی میں بھی تحفظ حاصل ہوگا۔ گواہی یا شہادت لینے کے لیے کسی بھی شخص کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہر شہری کو قانون کے دائرے میں نقل و حرکت اور کسی بھی جگہ سکونت اختیار کرنے کی پوری پوری آزادی ہوگی۔ ہر شہری کو قانون کی حدود میں رہتے ہوئے ہتھیاروں کے بغیر جمع ہونے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس سے امن عامہ میں خلل نہ پڑتا ہو۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو انجمن یا یونین بنانے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ یہ اقدام قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جائے۔ ہر شخص کو سیاسی جماعت بنانے اور کسی بھی سیاسی جماعت میں شمولیت کا حق دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ سرکاری ملازم نہ ہو ہر سیاسی جماعت کے لیے اپنے ذرائع آمدنی کا حساب رکھنا لازمی ہوگا۔ شرائط کے تحت جو ملکی قانون عائد کرے ہر فرد کو کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا اور ہر قسم کی تجارت کرنے کی اجازت ہوگی۔ آئین میں تحریر و تقریر کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے بشرطیکہ اس حق کو قانونی حدود میں رہ کر استعمال کیا جائے تاکہ اسلام کی شان و شوکت، پاکستان کی سالمیت اور امن عامہ پر زد نہ پڑے اور اس کا مقصد لوگوں کو جرم کرنے کے لیے بھڑکانا نہ ہو۔ تمام شہریوں کو جائیداد کی خرید و فروخت کی آئینی اور قانونی حدود میں پوری آزادی ہوگی اور اس پر اس وقت تک پابندی نہیں لگائی جاسکتی جب تک اس سے عوامی مفادات مجروح نہ ہوں۔ قانونی جواز کے بغیر کسی شخص کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا اور اگر حکومت قومی مفاد کے لیے کسی فرد کی جائیداد اپنے قبضہ میں لیتی ہے تو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کرے گی اور اگر پارلیمان شہریوں کی زیادہ سے زیادہ جائیداد کا قانون بنائے تو زائد جائیداد حکومت اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ پاکستان کے تمام شہری قانون کی نگاہ میں برابر ہیں اور ان کے مابین نسل، رنگ اور مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۵ کے مطابق جنسی امتیاز بھی ختم کر دیا گیا ہے اور عورتوں و مردوں کو بحیثیت شہری یکساں درجہ دیا گیا ہے بہر حال یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس دفعہ کا اطلاق ایسے اقدامات پر نہیں ہوگا جو عورتوں یا بچوں کی حفاظت کے لیے اٹھائے جائیں۔ آئین میں ہر

شہری کو قابلیت کے مطابق ملازمت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں نسل، مذہب، ذات، جنس اور سکونت کی بنا پر کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔

مسلم فیملی لاء آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء (۱) کی رو سے جہاں مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے وہاں عورت کو بھی خلع کا حق دیا گیا ہے۔

رسم ورواج

لاہور ہائی کورٹ کی عدالت میں رقت آمیز صورت حال : لاہور کے اخبارات میں سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی کہ (۲) لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس علی نواز خان کے کمرۂ عدالت میں اس وقت رقت آمیز صورتحال پیدا ہو گئی جب ایک ماں کو پتا چلا کہ وہ اپنے سابق خاوند سے اپنے جن دو کمسن بچوں کی برآمدگی کے لئے آئی ہے، ان میں سے ایک بچہ مر چکا ہے۔ خاتون یہ سنتے ہی غش کھا کر گر گئی۔ اسے ہوش دلایا گیا تو وہ انتہائی دردناک بین کرنے لگی۔ جس سے کمرۂ عدالت میں وکلاء اور دیگر سب کے آنسو نکل آئے۔ خاتون نے درخواست دائر کی تھی کہ اس کی اپنے شوہر سے علیٰحدگی ہو گئی تھی، مگر اس کا شوہر دونوں بچوں ۴ سالہ مزمل اور ۲ سالہ عمیر کو چھین کر لے گیا ہے۔ خاتون کا مطالبہ تھا کہ بچوں کو برآمد کر کے اس کے حوالے کیا جائے کیونکہ ہو قانوناً ان کی پرورش کی ذمہ دار ہے۔ عدالتی بیلف نے چھاپہ مار کر ۴ سالہ مزمل کو عدالت میں پیش کر دیا اور رپورٹ دی کہ ۲ سالہ عمیر باپ کے پاس مر چکا ہے۔ یہ سنتے ہی خاتون دیوانہ وار رونے لگی اور غش کھا کر گر گئی۔ ہوش آنے پر بین کرنے لگی کہ "میرا بچہ کہاں گیا، میرا معصوم بچہ مجھے لا دو، اللہ تو نے یہ کیا کیا، مجھ سے میرا سوہنا لعل چھین لیا"۔ اس نے شوہر سے کہا کہ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ فاضل جج نے خاتون کو تسلی دی کہ وہ صبر کرے، خدا کو یہی منظور تھا۔ اس موقعے پر فاضل جج نے مرحوم بچے کے لئے فاتحہ خوانی کی اور ۴ سالہ مزمل کو شازیہ کے حوالے کر دیا۔ جسے خاتون اپنے سینے سے چمٹائے اور چومتے ہوئے زاروقطار روتی ہوئی گھر چلی گئی۔

---

(۱)۔ مسلم لاء آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء

(۲)۔ جنگ سنڈے میگزین ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء

خورشید بی بی کے ساتھ اسکے شوہر کی ظلم کی داستان : ایک مقامی روزنامہ کی اشاعت میں (۱) ایک مظلوم عورت خورشید بی بی کے ساتھ اس کے اپنے شوہر (مرد) کے ظلم کی داستان شائع کی گئی کہ، خورشید بی بی اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سے ملنے والی تفصیلات کے مطابق خورشید بی بی نے ۱۹۸۵ء میں اکمل عاصم سے شادی کی۔ دونوں میاں بیوی کا تعلق میاں چنوں سے تھا۔ ۱۹۸۰ء سے دونوں کراچی میں سکونت پذیر تھے۔ خورشید بی بی کے مطابق ہم دونوں نے پسند کی شادی کی تھی۔ جس وقت ہماری شادی ہوئی اس وقت اکمل ٹیکسی چلاتا تھا اور وہ اس وقت گارڈن ساؤتھ پولیس ہیڈ کوارٹر میں موبائل ڈرائیور کی حیثیت سے تعینات تھا۔ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اکمل نشہ کرتا ہے تاہم جب اس نے شادی کے تقریباً ۴ برس بعد پولیس میں ملازمت کی تو اس کی یہ عادت پختہ ہو گئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مزید کئی بری عادتوں میں بھی مبتلا ہو گیا۔ جن میں منشیات کی فروخت، جوا اور زنا شامل ہیں۔ خورشید بی بی جو لیڈی ہیلتھ وزیٹر کی حیثیت سے سندھ گورنمنٹ اسپتال کورنگی میں ملازم اور چار بیٹوں کی ماں ہے۔ خورشید بی بی نے کہا کہ اس کا اپنے شوہر سے اکثر اس بات پر جھگڑا رہتا تھا کہ وہ گھریلو اخراجات کے لئے پیسے کیوں نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ جتنا کماتی ہے وہ بچوں کی تعلیم اور گھر کے دیگر اخراجات کے لئے ناکافی ہے۔ لیکن اکمل پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح ان کی ازدواجی زندگی دن بدن تلخ ہوتی چلی گئی۔ یکم ستمبر کو بھی ان ہی مسائل پر اکمل نے اسے بری طرح مارا پیٹا۔ چنانچہ حالات سے دل برداشتہ ہو کر وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی۔ خورشید بی بی کے مطابق اس نے تقریباً دو ماہ پہلے اکمل سے طلاق کا مطالبہ بھی کیا تھا جس پر اکمل نے اسے دھمکی دی تھی کہ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکے گی۔ اگر اس نے طلاق دی بھی تو پہلے وہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا۔ پھر طلاق دے گا۔ تاکہ وہ کمانے کے قابل نہ رہے۔ خورشید بی بی کے مطابق جب وہ اپنے بھائی کے گھر گئی تو اکمل نے بیٹوں کو زبردستی اپنے پاس رکھ لیا۔ دوسرے دن صبح اس نے بیٹوں کو بہن کے گھر چھوڑا اور شام کو چار ساڑھے چار بجے جب وہ بھائی کے

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء

گھر میں تنہا تھی۔ وہ پولیس موبائل لیکر آیا اور اسے زبردستی بالوں سے پکڑ کر موبائل میں بٹھا لیا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ٹی ٹی پستول تھا۔ پہلے وہ اسے سنسان علاقوں میں لئے پھرتا رہا۔ اس نے موبائل میں ایک لکڑی کا بڑا بکس بھی رکھا ہوا تھا۔ جس میں لوہے کی ایک زنجیر اور بغدا تھا۔ مختلف علاقوں اور گلیوں میں گھمانے کے بعد وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ اور وہاں اس نے بغدے کی مدد سے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس سوال کے جواب میں کہ آپ نے اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد یا محلے کے لوگوں نے آپ کی مدد کیوں نہیں کی؟ خورشید لی لی نے دبے دبے لفظوں میں کہا " آپ سمجھ دار ہیں سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی شخص تنہا یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ کام باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا اور یہ کہ اس کام میں اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ محلے والوں نے مدد کیوں نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محلے والے اس کو اچھی طرح جانتے تھے انہیں معلوم ہے کہ وہ کس کردار کا آدمی ہے اور یہ کہ اس کی پہنچ کہاں تک ہے۔ خورشید لی لی کے مطابق اکمل اسے قتل کرنا چاہتا تھا اس مقصد کے لئے اس نے بغدے سے اس کے سر پر اور جسم کے مختلف حصوں پر متعدد وار کئے۔ لیکن اس نے خود کو ان حملوں سے کسی نہ کسی طرح بچالیا۔ خورشید لی لی جناح اسپتال میں وارڈ نمبر ۴ ایڈ نمبرے پر زیر علاج رہیں۔ خورشید لی لی کے سر پر ۲۰ ٹانکے آئے جبکہ الٹے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور جسم جگہ جگہ سے زخمی ہے۔ اس نے بتایا کہ جب وہ ڈر اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تو اکمل اسے موبائل میں ڈال کر تھانہ ابراہیم حیدری لے گیا۔ تھانے جاتے وقت راستے میں اسے ہوش آگیا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بے ہوش ہی ظاہر کرتی رہی۔ تھانے پہنچ کر اکمل نے واقعہ کو نیا رنگ دیا اور اس نے بتایا کہ اس کے گھر ڈاکو آگئے۔ جنہوں نے اس کی بیوی کی یہ حالت کر دی۔ ابراہیم حیدری تھانے سے ۲ پولیس والے موبائل میں بیٹھ گئے اور یہ لوگ اسے جناح اسپتال لے گئے وہاں آکر بھی اکمل نے ڈاکٹروں کو وہی بات بتائی جو اس نے تھانے میں بتائی تھی۔ اسپتال میں اسے ایک جاننے والا مل گیا جسے اس نے درست صورت حال بتائی۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اکمل کو "طبی امداد" کے معاملے میں الجھا کر پولیس والوں کو اصل معاملے سے آگاہ کیا اور یوں ابراہیم حیدری پولیس

نے اکمل کو گرفتار کرلیا۔ خورشید لی لی کے بھائی حمید گل کے مطابق چونکہ اکمل پولیس کا ملازم ہے اس لئے پولیس والے اب اس کیس کو "غیرت کے نام پر قتل" میں تبدیل کررہے ہیں۔ ان کے مطابق اب اکمل نے اپنا پرانا بیان جو ڈاکٹر کو دیا تھا بدل دیا ہے۔ اس نے پولیس والوں کو جو بیان لکھوایا ہے اس کے مطابق چونکہ خورشید لی لی کا چال چلن درست نہیں تھا اس لئے اس نے غصے میں آکر یہ فعل کیا۔ جبکہ خورشید لی لی اس الزام کو مسترد کرتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میرے کردار کے بارے میں اکمل نے جو بیان دیا ہے وہ سراسر غلط ہے جس کی تفتیش محلے والوں اور اسپتال جہاں میں ملازمت کرتی تھی جاکر کی جاسکتی ہے۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ بد کردار تھی تو تحفظ یا پناہ کے لئے اپنے بھائی کے گھر کیوں گئی۔ ادھر انسانی حقوق اور خواتین انجمنوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہمارے ملک میں قاتلوں کو بچانے کا سب سے آسان طریقہ غیرت کے نام پر قتل بن گیا ہے۔ خورشید لی لی کے باکردار یا بدکردار ہونے کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف قانونی اداروں کو ہے۔ اکمل عاصم کو اپنی بیوی کو قتل کرنے کا اختیار ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ خورشید لی لی جسے ابھی تک اس کے بچوں سے ملنے نہیں دیا گیا۔ ان اداروں نے قانونی اداروں سے اس سلسلے میں مداخلت کرنے کی اپیل کی ہے۔ زندگی بھر کے لئے ایک ہاتھ سے معذور ہونے والی خورشید لی لی نے جنگ کو بتایا کہ باوجود اس کے کہ ہوم سیکرٹری نے انہیں اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اس کی ملازمت برقرار رہے گی لیکن وہ اپنے مستقبل کی طرف سے شدید پریشان ہے اس وقت اس کی شدید خواہش ہے کہ اس کے شوہر کو اس کے اس جرم کی قرار واقعی سزا ملے"۔

ظالم شوہر کے ظلم و ستم کی داستان : تفصیلات کے مطابق(۱) نیو کراچی کے مکان نمبر ۱۲/۵ / ۷ سیکٹر 11-A کی رہائشی ۴ بچوں کی ماں ریشماں کو اس کے شوہر مامون رشید نے سخت تشدد کا نشانہ بنایا اور اس کا سر پھاڑ کر اسے بچوں کے ہمراہ گھر سے باہر نکال دیا۔ زخمی خاتون شوہر کے خلاف رپورٹ درج کرانے جب نیو کراچی تھانے پہنچی تو وہاں کے عملے نے اسے عباسی شہید اسپتال کے نام میڈیکل لیٹر بنا کر بھیج دیا جہاں سے وہ زخمی حالت میں

(۱)۔ روزنامہ دی نیوز کراچی ۲۵ مارچ ۱۹۹۶ء

عباسی شہید اسپتال پہنچی تو دوسرے ڈاکٹروں نے اسے چیک کرنے یا طبی امداد دینے سے انکار کر دیا اور اسے لیڈی ڈاکٹر کا انتظار کرنے کو کہا۔ زخمی خاتون اپنے ۴ بچوں کے ہمراہ شدید سردی میں عباسی شہید اسپتال کی فٹ پاتھ پر ٹھٹھرتی رہی۔ بعد ازاں ۳ گھنٹے بعد لیڈی ڈاکٹر ذکیہ نے پہنچ کر اس کی رپورٹ بنائی اور مرہم پٹی کی۔ زخمی خاتون ریشماں نے آغاز اخبار کو بتایا کہ وہ ۱۵ سال قبل انڈیا کے شہر جے پور سے کراچی رشتہ داروں سے ملنے آئی تھی جہاں ماموں رشید نے اسے پسند کر کے اس کا پاسپورٹ جلا کر اس سے شادی کر لی تھی ماموں رشید کی پان کی دکان ہے۔ ریشماں کے ۴ بچے ہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے بڑا بیٹا ۱۴ سال کا ہے۔ ریشماں نے بتایا کہ ماموں رشید شروع سے ہی اس کے ساتھ برا سلوک کرتا تھا گھر میں اس کی موجودگی میں غیر عورتوں کو لاتا تھا اور اب تک لاتا ہے کسی قسم کا کوئی خرچ نہیں دیتا جس کی وجہ سے وہ محلے میں مانگ تانگ کر گزارا کرتی ہے اس سے رقم کا تقاضہ کرو تو وہ بیدردی سے مارتا ہے رات بھی اس نے دیواروں پر سر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا اور بچوں سمیت گھر سے نکال دیا۔ ریشماں نے بتایا کہ وہ اس سے قبل بھی نیو کراچی تھانے میں شوہر کی شکایت لے کر گئی تھی لیکن تھانے والے ہمیشہ اسے ٹال دیتے ہیں رات بھی محلے والے اسے عباسی شہید اسپتال پہنچا کر گئے ہیں اور ۳ گھنٹے تک خون میں نہاتی رہی۔ بعد ازاں لیڈی ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کر کے مرہم پٹی کر کے رپورٹ بنا دی۔ ذرائع کے مطابق خاتون جب رپورٹ لے کر تھانے پہنچی تو تھانے کے عملے نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور اس کی رپورٹ بھی نہیں لی اور نہ ہی کوئی کاروائی کی۔

زینب کے شوہر نے اس کے جسم کے نازک حصے میں لوہے کی گرم سلاخ داخل کر دی :

ایک انگریزی روزنامہ (۱) میں گھریلو تشدد کے بدترین واقع کی تفصیلات شائع کی گئیں۔ واقعات کے مطابق، "زینب کا شوہر محمد شریف اس کا بہت قریبی رشتہ دار (فرسٹ کزن) تھا اور ایک مسجد کا امام بھی۔ شادی سے تھوڑے عرصے بعد ہی شریف نے زینب پر تشدد کرنا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی

(۱)۔ روزنامہ آغاز کراچی، ۱۴ فروری ۲۰۰۰ء

کہ وٹہ سٹہ کے جس معاہدے کے تحت زینب اور شریف کی شادی ہوئی تھی، اسی معاہدے میں شریک زینب کے بھائی اور شریف کی بہن کی شادی نہیں ہو سکی تھی۔ زینب اور شریف کھوٹہ کے نزدیک ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں زینب نے کچھ محلے داروں کو اپنے اوپر ہونے والے تشدد کے بارے میں بتایا۔ اس کے جواب میں شریف نے زینب پر اور سنگین ظلم کئے۔ اس نے زینب کو لٹا کر باندھ دیا اور اس کے جسم کے نازک حصے میں ایک لوہے کی سلاخ داخل کر کے ۲۰ سے ۲۵ منٹ تک اس میں بجلی دوڑا دی۔ شریف نے یکدم غصے میں آکر تشدد نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھیانک جرم کرنے کے لئے اس نے باقاعدہ تیاری کی۔ اس سے یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ اگر شریف کے پاس یہ سامان پہلے سے موجود تھا تو کیا وہ پہلے بھی اپنی بیوی کے جسم کے دوسرے حصوں کو بجلی کے جھٹکے دیتا تھا؟

شریف نے سوچ سمجھے منصوبے کے تحت زینب پر تشدد کیا۔ اس کا مقصد زینب کو شدید جسمانی تکلیف پہنچانا تھا، جس کے نتیجے میں اس کی جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اس شدید تشدد کے نتیجے میں زینب نہ صرف ازدواجی زندگی کے قابل نہیں رہے گی بلکہ دوسرے جسمانی اعمال بھی نہ کر سکے گی۔ یہ واقعہ ۶ فروری کو ہوا۔ اگلے تین دن تک زینب کو مقامی ڈاکٹروں اور ڈسپنسریوں میں لے جایا گیا۔ جہاں شریف نے کہا کہ وہ کوئلوں کی انگیٹھی پر گرنے سے جل گئی ہے۔

کچھ ہی دن بعد وہ شدید بیمار ہو گئی کیونکہ اس کی انتڑیوں میں سوراخ ہو گئے تھے اور پیٹ میں زہر پھیل گیا تھا۔ شریف اسے سول ہسپتال لے گیا اور تین روز بعد اسے راولپنڈی جنرل ہسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں زینب کی حالت دیکھتے ہوئے ڈاکٹروں کو اندازہ ہوا کہ کوئلوں کی انگیٹھی پر گرنے والی بات غلط ہے۔ کچھ دن بعد دو نرسوں نے آخر کار زینب سے اصلی واقعات کا پتہ لگا لیا۔ ڈاکٹروں نے پولیس کو خبر کی اور شریف کے خلاف مقدمہ درج کر دیا گیا بعد میں اس کو سزا بھی ہو گئی"۔

عورت بحیثیت ماں

اسلام نے عورت کو بطور ماں، خدا اور رسول کے بعد، بہت اونچا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اگرچہ اولاد کو ماں اور باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی سخت تاکید کی گئی ہے اور انکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن قرآن وحدیث میں ماں کا درجہ باپ کی نسبت نمایاں نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، (۱)

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ ط

"ہم نے انسان کو تاکید کی وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ ہم نے حکم دیا کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی"۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے، (۲)

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ط

"ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"۔

احادیث نبوی میں ماں کی خدمت، اطاعت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے لیکن ماں کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ آپ نے ارشاد

(۱)۔ القرآن، سورہ لقمان، آیت نمبر ۱۴

(۲)۔ القرآن، سورہ الاحقاف، آیت نمبر ۱۵

فرمایا،(۱)

"اُوْصی امرٗ بِاُمّہٖ اُوْصی امرٗ بِاُمّہٖ اُوْصی امرٗ اباُ مّہٖ اُوْصی امرٗ اباَبِیْہ

ترجمہ: میں آدمی کو اسکی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں"۔

ملاحظہ فرمائیں حضور اکرم ﷺ نے ماں کی اطاعت و فرمابرداری کے بارے میں مسلسل تین مرتبہ پر زور تاکید فرمائی اور باپ کیلئے صرف ایک مرتبہ حکم دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں اور یہ اس کا حق ہے کہ اسکی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،(۲)

" قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقاًعَلَی الْمَرْاَ ۃِ قَالَ زَوْجُھَا قُلْتُ مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقاً عَلَی الرَّجُلِ قَالَ اُمُّھَا

ترجمہ: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کے شوہر کا، میں نے پھر پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ماں کا"۔

ایک اور احادیث مبارک میں ماں کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اور ماں کی نافرمانی کو فعل حرام سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا،(۳)

" اِنَّ اللّٰہ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ،

اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام ٹھہرائی ہے"

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض

---

(۱)۔ ابن ماجہ، باب الادب، باب الوالدین، مستدرک حاکم

(۲)۔ مستدرک حاکم، بخاری شریف، کتاب الادب، مسلم، ترمذی

(۱)۔ بخاری شریف، کتاب الادب، باب ۵۶۲، صفحہ نمبر ۳۶۶

کیا کہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے کیا اس سے توبہ کی کوئی شکل ہے ؟ آپؐ نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا تمہاری ماں ہے ؟ اس نے عرض کیا نہیں۔آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری خالہ ہے ؟ اس نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا اس کے ساتھ حسن سلوک کرو"(۱)

ماں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ (۲) باپ کے ساتھ جتنا سلوک کرنا چاہیئے اس سے تین گنا زیادہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں (۳) باپ کی اطاعت اور حکم ماننا چاہیئے لیکن حسن سلوک کے سلسلے میں چار حصوں میں سے تین حصے ماں کے ہوں گے۔

اسلام ماں کے قانونی حقوق ادا کرنے پر زیادہ زور نہیں دیتا جتنا اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے تاکہ ماں کے قانونی حقوق خوش دلی اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کیئے جائیں اور انہیں بوجھ نہ تصور کیا جائے۔ قانونی حدود سے آگے بڑھ کر ماں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنا لازمی ہے خواہ انسان کے بس میں ہو یا نہ ہو۔

قانون

پاکستانی آئین (۴) میں عورتوں اور مردوں کو جنسی تفریق کے خلاف تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ عورتیں جج بن سکتی ہیں، عورتیں ملازمت کر سکتی ہیں، آمدورفت اور دیگر تمام حقوق کا تحفظ بھی حاصل ہے۔

گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء کے مطابق (۵) بچوں کی قانونی سرپرستی کا حق باپ

---

(۱)۔ترمذی۔ مستدرک حاکم

(۲)۔ایضاً

(۳)۔ایضاً

(۴)۔آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، آرٹیکل نمبر ۲۵

(۵)۔گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ء۔

کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی حاصل ہے۔ مسلم پرسنل لاء (۱) کے مطابق بچوں کی تحویل ماں کو دی جاتی ہے۔ شیعہ لاء (۲) کے مطابق ماں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو سات سال تک اپنے پاس رکھ سکے۔

رسم و رواج

بچوں کے ذہن میں باپ کو دیکھ کر حاکمیت کا تصور ابھرتا ہے : مشاہدہ یہ ہے کہ ایک بچہ جب اپنے باپ کو عورتوں پر حکمرانی کرتا دیکھتا ہے تو وہ جوان ہونے پر اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہوش سنبھالتے ہی ماں کو محکوم رعیت تصور کرتا ہے بجائے اسکے کہ ماں کی فرمانبرداری کرے الٹا ماں پر حکمرانی کرنے لگتا ہے اور وہ ہوشیار ہوتے ہی اپنے آپ کو عورت ذات کا ایک حاکم سمجھتا ہے اور یہ بچپن کا اثر تا حیات بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ چونکہ پاکستانی عورت کو ایک محتاج اور دست نگر ہستی بنا دیا گیا ہے اسلئے اسکو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ماں بچوں کی پرورش کیلئے مزدوری بھی کرتی ہے : مشہور ادیبہ و شاعرہ محترمہ کشور ناہید ایک عورت کے بارے میں لکھتی ہیں (۳) ''میرے سامنے میری ماں، اسکی محنت اور ناصبوری کی داستان تھی۔ میری ماں جیسی ساری ماؤں نے زندگی کا سیسہ پی کر خون تھوکا تھا۔ مگر میرے اندر میری ماں جیسی شرافت نہ سما سکی میرے پانچ بچے ہیں۔ پہلے بہن بھائیوں کو پالتی تھی اب ان بچوں کو پالتی ہوں۔ میں نوکری کرتی ہوں اور صبح میری ساس رکشے کے آنے جانے کا کرایہ روپے پیسے گن کر میرے ہاتھ میں پکڑاتی ہیں۔ مجھے اس ذلت پر بھی نوکری کرنا منظور ہے کہ بے اعتباری کے تمام رشتوں میں صرف اعتبار ہے تو خدا اور

---

(۱)۔ فقہ و اصول فقہ، میاں منظور احمد۔

(۲)۔ فقہ و اصول فقہ، میاں منظور احمد

Principles of Mohammadan Law By D.F.Mulla

(۳)۔ کشور ناہید، عورت 'خواب اور خاک کے درمیان

نوکری پر۔ اس محدودیت نے عورت کو گھر کی چار دیواری کا احاطہ دیا اور چراغ خانہ کے لقب سے یاد کر کے، معاشی طور پر محکوم اور سماجی طور پر دوسرے درجے کا شہری بنا دیا۔ ماں نے خاندان کا ہر کام کرنے کی ذمہ داری قبول کی، وہ گھر میں آیا بھی بنی، باورچن بھی، درزن بھی، دھوبن بھی مگر اس نے ہر کام کو مادری رشتے کی رگوں میں جذباتی ذمہ داری کے پلڑے میں ڈال کر صرف دووقت کی بچی کچی مل جانے کو اپنی محنت کا اجر اور معاوضہ سمجھ لیا"۔

جوان بیٹوں نے ماں کو دھکے دیکر گھر سے نکال دیا: اخبارات میں یہ خبریں عام دیکھنے میں آتی ہیں کہ جوان بیٹوں نے بوڑھی ماں کو دھکے دیکر گھر سے نکال دیا۔ یہ بات بھی عام طور پر رائج ہے کہ جوں ہی بیٹے کی شادی ہوئی ایک دو ماہ کے اندر اندر ہی اس نے ماں کو خیر آباد کہا اسے بے سہارا چھوڑ کر الگ رہنے لگا۔ کسی بھی گھر میں جاکر دیکھیں ماں کی حیثیت ایک خاموش تماشائی بلکہ نوکرانی یا آیا کی سی نظر آئے گی۔ عام معاملات میں ماں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ بعض اوقات گھریلو امور میں اس سے مشورہ لینا ضروری نہیں سمجھا جاتا اگرچہ پاکستان میں مل جل کر رہنے کا تصور ابھی باقی ہے اور مغرب کی طرح بوڑھوں کو الگ نہیں کیا جاتا مگر اندرونی حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بوڑھی عورت (ماں) کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ اسلام اور ملکی قانون کے سراسر خلاف ہوتا ہے۔

تشدد کا شکار ستر سالہ خاتون کی داستان غم: ایک مقامی روزنامہ (۱) کی اشاعت میں بیٹوں کے تشدد کا شکار ستر سالہ بوڑھی خاتون کے بارے میں ایک خبر اس طرح شائع ہوئی، "شہری اور دیگر سرکاری اداروں کے ہاتھوں پریشان لوگوں کے ساتھ ساتھ اولاد کے ہاتھوں پریشان افراد بھی اپنے دکھوں کا مداوا کورہیڈ کوارٹرز میں قائم مانیٹرنگ سیل کو سمجھنے لگے ہیں جس کی تازہ مثال منگل کو اس وقت دیکھنے میں آئی جب ایک 70 سالہ ضعیف خاتون نے کورہیڈ کوارٹرز پہنچ کر دہائی دینی شروع کردی کہ میرے 4 بیٹے ہیں چاروں کماتے ہیں مگر مجھے ایک پیسہ نہیں دیتے اور جب میں گزارے کیلئے ادھر ادھر سے رقم مانگتی ہوں تو مجھے مارتے ہیں کہ بھیک مانگتی ہو، ضعیف عورت نے بتایا کہ میرے پاس صرف وہی کپڑے ہیں جو

(۱)۔ روزنامہ انصاف کراچی، ۲۴ نومبر ۱۹۹۹ء

میرے تن پر ہیں، عورت نے کور ہیڈ کوارٹرز کے دروازے پر کھڑے فوجیوں سے کہا کہ اپنے جنرل سے کہو کہ فوجی حکومت آگئی ہے میرے لئے 2 ہزار روپے ماہانہ کا وظیفہ باندھ دے تاکہ میری زندگی عزت وعافیت سے گزر جائے، ایک اعلیٰ افسر نے عورت سے درخواست لے کر آئی ایس پی آر میں جمع کرادی"۔

عورت اور مرد

اسلام نے عورت اور مرد کی مساوات کا اصول پیش کیا ہے تمام مرد و زن شرافت میں، عبادات میں اور انسانی وقار میں برابر ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، (۱)"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ یعنی ہم نے بنی آدم (عورت و مرد) کو بزرگی عطا فرمائی ہے"۔ اسی طرح مرد اور عورت کی تخلیق بھی مساوی طریقے پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، (۲)"خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنی اللہ نے تم سب (عورت و مرد) کو ایک نفس سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا"۔ ایمان، تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے بھی مرد و عورت دونوں مساوی ہیں چنانچہ اللہ کا حکم ہے، (۳)" اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سے (عورت و مرد) معزز ترین وہ ہے جو تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے"۔ آخرت میں اجر و مرتبہ اور نجات پانے میں بھی مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، جس کے اعمال بہتر ہوں گے اسکو اسی لحاظ سے درجات دیئے جائیں گے۔ اللہ اور رسول نے عورت اور مرد کیلئے جو بنیادی حقوق متعین کئے ہیں ان میں بھی مرد اور عورت پیدائش، انسانی شرافت و کرامت، دینداری و تقویٰ، اخروی اجر و نجات اور بنیادی حقوق و فرائض میں دونوں برابر ہیں، البتہ مرد اور عورت دونوں کی فطری صلاحیتوں میں فرق ہے، قرآن میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے، (۴) " وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ،

ترجمہ: عورتوں کیلئے معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں

---

(۱)۔ القرآن، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷۰

(۲)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱

(۳)۔ القرآن، سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۳

(۴)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۲۲۸

البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ زائد حاصل ہے"۔

ایس ایم لاء کالج کے میرے ایک استاد مکرم وحید فاروقی مرحوم مرد کا عورت سے ایک درجہ زیادہ ہونے کی مثال اس طرح دیا کرتے تھے کہ "اگر کل درجات سو فرض کئے جائیں تو مرد کے پچپاس اور نصف (یعنی ساڑھے پچپاس) جبکہ عورت کے انچاس اور نصف (یعنی ساڑھے انچاس) ہوں گے۔اس طرح مرد اور عورت کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوتا ہے"۔ درحقیقت مرد اور عورت کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں اور ان ذمہ داریوں کی وجہ سے مرد اور عورت کے درمیان ایک معمولی سا فرق پیدا کیا گیا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مرد کو عورت کی تمام معاشی ضروریات کا کفیل اور ذمہ دار بنایا گیا ہے جبکہ عورت کو تمام گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآہ ہونے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ عورت اور مرد کی جسمانی ساخت کی شکل وصورت کے متعلق جدید قانونِ طب نے یہ ثابت کیا ہے کہ،(۱)

1۔ عورت کے جسم میں رحم ہے جبکہ مرد کے جسم میں رحم نہیں ہے۔

2۔ عورت کے اندرونِ سینہ لیکٹو جن (Lactogin) ہے جو ایک قسم کا سیال مادہ ہے اور بچوں کی پرورش کیلئے دودھ کا کام دیتا ہے، پایا جاتا ہے جبکہ مرد کے جسم میں یہ مادہ نہیں ہوتا۔

3۔ عورت کے جسم میں دل گھٹنے اور بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ مرد کا دل گھٹتا اور بڑھتا نہیں ہے۔

4۔ اس کے علاوہ عورت کا دل مرد کے دل سے چھوٹا ہوتا ہے مگر اس میں برداشت کا مادہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت درد زیادہ برداشت کر سکتی ہے جو کہ مرد نہیں برداشت کر سکتا۔

5۔ عورت کے جسم میں مرد کی نسبت زیادہ خلیئے (Cells) ہوتے ہیں جسکی وجہ سے عورت زیادہ بچے پیدا کرنے کی طاقت رکھتی ہے جبکہ مرد بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔

---

(۱)۔ طبی انسائیکلو پیڈیا، پروفیسر دوارینی (اردو ترجمہ :ابو الکلام آزاد)

6۔ عورت مرد کے مقابلے میں بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ سکت رکھتی ہے۔

7۔ عورت سن بلوغت کو پہلے پہنچ جاتی ہے جبکہ مرد دیر سے بالغ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو مد نظر رکھا جائے تو قرآن حکیم کا "بعض کو بعض پر فضیلت دینے کا مطلب آسانی سے سمجھ آجاتا ہے۔ کچھ فضائل مردوں کو عورتوں سے زیادہ کچھ فضائل عورتوں کو مردوں سے زیادہ حاصل ہیں جسکا مطلب ہے کہ دونوں کے درمیان ہم آہنگی، روابط اور تعاون کی ضرورت ہے۔ بالفاظِ دیگر دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ دونوں کے باہم ربط سے تخلیق کائنات کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب مردوں نے عورتوں پر مظالم کیۓ ان کے حقوق کو غصب کیا، ان کو زندہ درگور کرنے کا سامان کیا اور انہیں کمتر و کم مایہ حیثیت اختیار کرنے پر مجبور کیا تو مذہبی انقلاب آیا اور کسی رہبر کو پیغمبر کی شکل میں مبعوث کیا گیا تاکہ انسانوں کے درمیان حقوق و فرائض اور ان کے میزان کا احساس دوبارہ زندہ کیا جا سکے۔ قرآن حکیم نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیۓ مردوں کی اکثریت نے ان حقوق کو عورت سے چھین کر اسے کمتر بنانے کی کوشش کی۔

عورتوں اور مردوں میں مساوات کے بارے میں قرآن نے اس طرح اعلان کیا ہے، (۱) "بے شک اسلام لانے والے مرد اور اسلام لانے والی عورتیں، اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور عاجزی اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عصمت کی حفاظت

(۱)۔ القرآن، سورہ الاحزاب، آیت نمبر ۳۵

کرنے والے مرد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور بہت زیادہ یاد کرنے والی عورتیں ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے"۔

قانون

پاکستان کے آئین (۱) میں تمام پاکستانی مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ پاکستانی عورت کو حق زندگی اور آزادی، تحفظ گرفتاری اور حبس بیجا، غلامی اور بیگاری کی ممانعت، دوہری سزا کے خلاف تحفظ، تحفظ وقار، آزادیِ نقل و حرکت و سکونت، حق اجتماع، حق انجمن سازی، سیاسی آزادی، حقِ معاش کاروبار اور تجارت، حق مذہب، مذہبی ٹیکس سے تحفظ، تعلیمی اداروں میں مذہبی تحفظات، حق جائیداد، اور حقِ رائے دہی آئینی طور پر حاصل ہیں۔

رسم ورواج

قومی اسمبلی میں عورتوں کی نشستیں ختم : موجودہ صورتِ حال میں عملی طور پر عورتوں کو کتنے حقوق حاصل ہیں اس کی صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے۔ مثال کے طور پر قومی اسمبلی کی دوسو سترہ نشستوں میں خواتین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکستانی آئین کی آرٹیکل (A ۔ ۲) ۵۰ کے تحت عورتوں کی مخصوص نشستیں بیس مقرر کی گئیں تھیں جنہیں ۱۹۸۵ء میں دس کر دیا گیا اور اب موجودہ دور میں دس بھی نہیں رہیں اسی طرح سینٹ کی ستاسی نشستوں میں ایک سیٹ بھی عورتوں کیلئے مختص نہیں کی گئی۔ یہ آئین بنانے والے مرد تھے اور اس آئین کو ۱۹۷۳ء سے قائم رکھنے والے بھی مرد ہی ہیں۔ مردوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کی بات ہو تو آئینی ترمیم چند دنوں میں ہو جاتی ہیں جبکہ عورتوں کی نشستوں کا مسئلہ صرف بیان بازی تک محدود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صوبائی اسمبلیوں، قومی اسمبلی اور سینٹ میں عورتوں کی نمائندگی کے حق کو مردوں نے غصب کر رکھا ہے تو بے جا

(۱)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، آرٹیکل نمبر ۸ تا ۲۸

نہ ہو گا۔ ملازمتوں میں عورتوں کو برابری کی نمائندگی نہیں دی جارہی، تعلیمی اداروں میں بھی مردوں کی اجارہ داری ہے، عورتوں کے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پورے پاکستان میں راولپنڈی میں خواتین کی پہلی یونیورسٹی موجودہ دور میں بنائی گئی ہے۔ کیا یہ ناانصافی نہیں ؟ کیا آئین کے تحت عورتوں کو جو تعلیمی تحفظ فراہم کیا گیا ہے اسکی کھلی خلاف ورزی نہیں ہورہی ؟

میرے خیال میں اس وقت پاکستانی عورت کو کہیں بھی اسلامی اور قانونی حقوق مساویانہ طور پر نہیں دیئے جارہے۔ پاکستانی عورتوں کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک برتا جارہا ہے اور ان کے سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق کو مردوں نے اسلام معاشرہ یا رواج کے نام پر غصب کرر کھا ہے۔ عورتوں کے مساویانہ حقوق کے سلسلے میں اسلام اور نہ ہی ملکی قانون پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور اس کھلم کھلا خلاف ورزی کے ذمہ دار صرف اور صرف مرد حضرات ہیں۔

صوبہ سرحد کی ایک مظلوم عورت کو حقوق انسانی کے دفتر میں قتل کر دیا گیا : حقوق انسانی کی فریاد لے کر ایک خاتون صوبہ سرحد سے لاہور آئی (١) تو اسے خاتون وکیل عاصمہ جیلانی کے دفتر میں قتل کر دیا گیا۔ جب اس معاملہ کو سینٹ میں اٹھانے کی بات ہوئی تو بحث کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ معاملہ ایک مظلوم عورت کا اور ایوان مردوں کا تھا۔

ناموس کے نام پر عورتوں کا قتل : مشہور کالم نگار جمیل الدین عالی (٢) "ناموس درباب خواتین" کے زیر عنوان لکھتے ہیں، "مجھ سے بے شمار خواتین نے فرمائش کی ہے کہ صائمہ مرحومہ کے حوالے سے ناموس کے نام پر قتل خواتین کے مسئلے پر لکھوں۔ معذرت کہ خاص قتل صائمہ کا معاملہ عدالتی بن چکا ہے۔ اس پر کسی مخالفانہ یا (خدانخواستہ) موافقانہ

(١)۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور

(٢)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۵ ستمبر ١٩٩٩ء

رائے کا اظہار توہین عدالت کے زمرے میں بھی آسکتا ہے اور کوئی بنیادی بحث خاصی طویل مضمون نویسی طلب کرتی ہے۔ مجھے اپنے بنیادی موقف کے اظہار سے گریز نہیں، وہ تو میں ایوان بالا میں بھی اس قرارداد کے حق میں کھلی رائے سے ظاہر کر چکا ہوں جو ابتداً سید اقبال حیدر نے بہت سے معزز سینیٹرز کی تائید سے پیش کی لیکن رائے شماری کے وقت، "بوجوہ" اس کے حق میں صرف چار ووٹ آئے۔ میری خوش قسمتی کہ ان چار میں ایک ووٹ میرا بھی تھا۔ دوسرے دن قائد حزب اختلاف نے اس معاملے میں جن چند دیگر اراکین کے ساتھ واک آؤٹ کیا ان میں، پھر خوش قسمتی سے، میں بھی شامل تھا۔ لیکن اصل مسئلہ صائمہ مرحومہ کے قتل ہی کا نہیں اصل مسئلہ ناموس کے نام پر کسی مبینہ قتل یا ظلم کا بھی نہیں اصل مسئلہ ہماری "مردانہ" ذہنیت کا ہے جو آج صرف اور صرف شاونیت ناجائز احساس برتری، منافی اخلاق تفوق، تفریق اور خواتین کے ساتھ دانستہ ناانصافی سے کام لیتی ہے...... یاد کرنے والے یاد کریں کہ آج سے صرف (تقریباً) پچاس برس پہلے تک ہمارے ملک میں مسلمانوں کا پرسنل (شرعی) لاء موجود تو تھا لیکن صوبہ پنجاب میں نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں (پرسنل لاء میں) خواہ حنفی مسلک ہو خواہ اثنائے عشری، لڑکی...... خاتون...... وراثت سے یک سر محروم نہیں ہو سکتی جبکہ پنجاب میں "روایت" یہ قرار دی گئی کہ لڑکی کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے اس قانون کو عملاً معطل رکھو۔ وہ تو یہ کہیے کہ شہید لیاقت گورنمنٹ نے اس ظالمانہ تعطل کو خود صوبائی حکومت (غالباً میاں دولتانہ مرحوم) کے ہاتھوں ختم کرایا (۱۹۵۱)۔ اس وقت سے وہاں شرعی قانون وراثت خاصی حد تک قابل نفاذ ہے...... یہ صرف ایک مثال تھی۔ مشتے از خروارے...... ہمارے بیشتر رہنما (پھر وہی کہ مستثنیات چھوڑ کر) اور خواص پاکستانی خواتین کے انسانی، شرعی، واضح طور پر جائز حقوق کو دل و جان سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ میں بہتوں کو جانتا ہوں۔ میں خود "مرد معاشرے" کا ایک فرد ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اور ہم اس معاملے میں شرع متین کا حوالہ دیتے ہیں۔ "اسلام نے عورت کو یہ حقوق دے رکھے ہیں، وہ حقوق دے رکھے ہیں۔" لیکن عملاً ہم ان حقوق کو تسلیم نہیں کرتے، قابل نفاذ نہیں سمجھتے۔ جبھی نافذ نہیں کرتے، پارٹی بعد پارٹی، حکومت بعد حکومت

آتی ہے گاہ ایسی طاقتور بھی کہ دستور تک میں آسانی سے ترمیم لے آئے (اور خواتین کچھ میں ترمیموں کی کھلی مخالفت کوئی بھی حزب اختلاف کیا کھا کر کرے گی) لیکن کوئی ایسی ترمیم نہیں لائی جاتی۔ پارلیمان میں ان کی نمائندگی کیلئے دستوری ترمیم پر زبانی کلامی ہر وقت بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ میں تو آج تک اخبار کے ذریعے بھی نہیں جان سکا کہ کسی ترمیم کا مسودہ کسی ایوان میں پیش ہی کر دیا گیا ہو۔ یہاں میں پچھلی حکومت سے بھی سخت ناخوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ "عورت" کی حکومت کے باوجود وہ حکومت بھی، مجموعی طور پر مردانہ شاونیت کا شکار رہی...... یہ مردانہ شاونیت ایک تاریخی درندگی کا شاخسانہ سہی یہ ان دنوں کی یادوں اور باقیات میں سہی جب جسمانی طاقت "حقوق" کا تعین کرتی تھی لیکن تہذیب کے ارتقائے، اور ہمارے معاملے میں تو ہماری مذہبی ہدایات اور فتاوے اور پالیسیوں نے تو بالکل واضح طور پر ہمیں ایک کوڈ CODE دیدیا ہے جو محض زبانی طور پر "احترام خواتین" سے کہیں آگے جاکر ان کے بنیادی انسانی اور معاشرتی حقوق متعین کرتا ہے۔ بعض معاملات میں تو شق بہ شق قوانین تک بن چکے ہیں لیکن، لیکن ہم بیشتر کو نافذ نہیں کرتے...... وجہ؟ صاف وہی وجہ۔ ہم اب بھی بہت بڑی حد تک، بہت بڑے پیمانے پر، اسی مردانہ، "درندگانہ" شاونیت کا شکار ہیں...... ذرا یہی دیکھئے کہ پچھلے تین سو سالوں میں ہمارے ہر دور کے مصلحین نے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے پیروان کا حضرت سید احمد شہید بریلوی سے لے کر اب تک سب مصلحین نے نکاح بیوگان کے حق میں اور شادی کی مسرفانہ رسومات کے خلاف کیا کچھ تلقین نہیں کی لیکن آج بھی ان معاملات میں بنیادی طور پر ہمارا "انفرادی" اور اجتماعی رویہ کیا ہے۔ اس وقت میں تو آپ کے سامنے نہیں۔ اپنے دلوں میں خود جھانک کر دیکھ لیجئے۔ (خدا کرے اس وقت آپ میں مستثنیات کی تعداد زیادہ ہو)۔ آپ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کیلئے تمام تر احترام کے باوجود "عورت" کیلئے کیا مقام متعین کرتے ہیں؟...... ساتھ ہی ایک سوال کھاتے پیتے اور متوسط بلکہ زیر متوسط گھرانوں کی خواتین سے بھی، آپ اس دور میں بھی جہیز پر کیوں اصرار کرتی ہیں؟ کیا آپ یہ نہیں سمجھتیں کہ اس طرح آپ اپنی بیٹی یا بہو کی...... انسانیت کی توہین کر رہی ہیں؟ میں نے ۷۶۔۱۹۷۵ میں اس

موضوع پر انہی اظہاریوں میں باربار اظہار خیال کیا (ملاحظہ ہو ان اظہاریوں سے انتخاب کا مجموعہ صدا کر چلے)۔ بہت سے لڑکے لڑکیوں نے میرا ساتھ بھی دیا۔ اللہ بخشے مولانا کوثر نیازی اس وقت وزیر امور مذہبی تھے۔ انہوں نے پارلیمان سے ایک قانون بھی بنوایا...... کچھ دن ان اصلاحات کا بڑا پروپیگنڈہ بھی رہا لیکن کھاتے پیتے گھرانوں کے مردوں ہی نہیں خواتین نے بھی سخت مخالفت کی۔ نتیجتاً یہ قانون بے اثر ہو گیا۔ میں تو کیا کریڈٹ لوں گا میاں نواز شریف کی حکومت نے پھر ویسے ہی قانون نافذ کرنے چاہے تو جوان کا حشر ہو رہا ہے وہ ہم سب دیکھتے ہیں اور خواہ جبر البعض عملی خلاف ورزیوں میں خواہ ان کو وقوع کے بعد قانون کے شکنجے میں نہ لایا جاسکے خود شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ ایک درجے میں اسراف بھی ہے لیکن "عورت" کیلئے مردانہ شاونیت کا شاخسانہ ہے۔ عورت جہیز لائے۔ مرد کیوں نہ لائے؟ وہ اس لئے کہ...... کہ مرد تو مرد ہوانا...... لاحول ولا قوۃ......۔

مبارک ہیں وہ رہنما اور صحافی اور دیگر اہل اظہار جو حقوق نسواں پر جم کر بات کریں میری ناچیز رائے میں یہ مسئلہ HONOUR KILLING مسئلہ ناموس سے ہی منسلک نہیں، صرف قبائلی علاقوں کی نفسیات کا مسئلہ بھی نہیں بلکہ ایک پورے معاشرتی رویے کا مسئلہ ہے ہاں بے چاری صائمہ مرحومہ کے المیے سے صحافیانہ (اور کسی حس تک پارلیمانی سطح پر بھی) ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ اگر اس پر ماہرین نفسیات و عمرانیات تجزیاتی توجہ دیکر اپنے افکار مذاکروں اور تحریروں کے ذریعے عام کریں تو شاید بات کچھ آگے بڑھے...... معاشرہ امیر کبیر اور بااثر طبقات کی پاکستانی خواتین کی طرف بھی دیکھ رہا ہے کہ وہ اپنے زیورات اور ملبوسات...... سب تعیشات...... کا کتنا حصہ (کتنی رقم) اور کتنا وقت "حقوق خواتین" کی "بحالی" کے مطالبوں پر خرچ کر سکتی ہیں۔ ایک آدھ مختصر سے مذاکرے، ایک آدھ بیان، معمولی سے جلسے جلوس میں "محفوظ" قسم کی شرکت کر لینا اور بات ہے۔

(گو غنیمت بھی نہیں) جم کر، اپنے وسائل اور وقت اور اثر کو استعمال کرنا اور بات...... محترمات کم از کم اپنے بامحبت شوہروں پر بھی اثر انداز ہو کر دکھایئے۔ وہی تو عملاً ہمارے معاشرتی رجحانات کو کنٹرول کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ خواتین واقعی اپنی بچھڑی ہوئی ہم وطنوں کو ان کے حقوق دلوانا چاہیں تو اپنے مردوں کے ذریعے ہی بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ بہر حال جو کریں گی نظر آجائے گا ورنہ بیچاری خاتونِ پاکستان اسی تنخواہ پر (اور تنخواہ کے بغیر بھی) نوکری تو کر ہی رہی ہے۔"

عورتوں کے خلاف حکومت کے جانبدارانہ اقدامات : سابق وزیرِ اعظیم بے نظیر بھٹو کی پولیٹیکل سیکرٹری مس ناہید خان "عورتوں کے خلاف حکومت کے اقدامات" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں کہ (۱) "حکومتیں شہریوں کے حقوق کی ضامن ہوتی ہیں اور انہیں تحفظ فراہم کرنا ان کا اولین فرض ہوتا ہے اس کا اظہار بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے سامنے اپنے تاریخی خطاب میں جس کی حیثیت ہمارے لئے ایک میگنا کارٹا سے کم نہیں ہے بڑے واضح انداز میں کر دیا تھا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں حکومت کے اس کردار کو ایک آئینی حیثیت دی گئی اور آئین کے آرٹیکل ۲۵ کی رو سے عورتوں اور مردوں کو ملک کا برابر کا شہری قرار دیا گیا جنہیں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ۱۹۹۵ء میں پاکستان نے عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کیلئے بین الاقوامی کنونشن (CEDAW) کی توثیق کر کے اپنے اس آئینی کردار پر مہر تصدیق ثبت کی لیکن ۱۲ اگست ۱۹۹۹ء کو سینیٹ میں عورتوں پر تشدد کی مذمت کی قرارداد پر حکومت نے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت جس سرد مہری اور بد عہدی کا مظاہرہ کیا اس سے ملکی آئین اور بین الاقوامی معاہدوں کی شدید پامالی ہوئی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس قرارداد کو "قتل" کرنے میں حکومت کے علاوہ حزب اختلاف کی مرکزی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کو چھوڑ کر بعض دوسرے سینیٹروں نے بھی منفی کردار ادا کیا لیکن اس سلسلے میں زیادہ ذمہ داری حکومت اور سرکاری بنچوں پر عائد ہوتی تھی۔ اس مسئلے پر بحث کے دوران قائد ایوان نے ایوان میں تشریف لانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو حکومت عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک عام سی قرارداد کی حمایت کرنے کی روادارنہ ہووہ

(۱)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۵ ستمبر ۱۹۹۹ء

عورتوں کے حقوق کیلئے قانون سازی میں کیا دلچسپی رکھتی ہوگی۔ حکومت کے اس روئیے کے باعث جو عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات سے چشم پوشی کے مترادف ہے گزشتہ اڑھائی برسوں میں عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

حقوق انسانی کی ۱۹۹۸ء کی رپورٹ : ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق (۱) ۱۹۹۸ء میں ۱،۹۷۴ عورتیں قتل ہوئیں جن میں سے ۱،۱۸۳ صرف پنجاب میں قتل ہوئیں۔ ۱۹۹۸ء میں پنجاب میں ۷۰۶ عورتوں کے ساتھ "ریپ" ہوا۔ "ریپ" کے سلسلے میں سرکاری اعداد و شمار اس سے بھی زیادہ ہیں ان کے مطابق ۱۹۹۸ء میں صرف پنجاب میں ۱،۳۴۱ "ریپ" کے واقعات ہوئے جبکہ سندھ میں ان کی تعداد ۱۲۶ تھی۔ ۱۹۹۸ء میں اغواء ہونے والی عورتوں کی تعداد پنجاب میں ۳،۷۴۱، سندھ میں ۵۶۲، صوبہ سرحد ۸۷ اور بلوچستان میں ۴۴ تھی۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۹۸ء میں صرف پنجاب میں جو عورتیں قتل ہوئیں ان میں ۵۹۵ کو ان کے رشتہ داروں نے قتل کیا تھا ۲۸۶ وارداتوں کے بارے میں انکشاف ہوا کہ انہیں غیرت کے نام پر قتل کیا گیا جبکہ جنوری سے جولائی ۱۹۹۹ء تک ایسے ۱۴۱ کیس سامنے آئے۔ تفصیلات کے مطابق ۱۶ سال سے کم عمر کی ۲۰ اور اس سے زائد عمر کی ۱۴۰ عورتوں کو قتل کیا گیا ان میں سے ۸۶ شادی شدہ اور ۵۴ غیر شادی شدہ تھیں اور ۱۰۹ کیسوں کی ایف آئی آر درج ہونے کے باوجود صرف ۲۲ ملزم گرفتار ہوئے جبکہ کسی کو سزا نہیں ہوئی مزکورہ وارداتوں میں زیادہ تر عورتوں کے قریبی عزیز ملوث تھے اعداد و شمار کے مطابق ۱۶ عورتیں باپ، ۳۹ بھائیوں، ۳۲ شوہروں، ۷ بیٹوں اور ۷۳ دیگر رشتہ داروں کے ہاتھوں قتل ہوئیں۔ سندھ کی ایک آرگنائزیشن (۲) کے مطابق ۱۹۹۹ء کے ابتدائی ۳ ماہ کے دوران سندھ میں غیرت کے نام پر ۱۳۲ قتل کی وارداتیں ہوئیں ایچ آر سی پی کا کہنا ہے کہ ۱۹۹۸ء میں عورتوں کو جلائے جانے

(۱)۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان، رپورٹ ۱۹۹۸ء

(۲)۔ جنگ سنڈے میگزین، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء

کے واقعات میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہوا اور ۲۸۲ عورتوں میں سے صرف ۳۵ فیصد کو بچایا جاسکا زیادہ تر واقعات میں شوہر اور سسرالی عزیز ملوث تھے۔ کاروکاری کے نتیجہ میں ۱۹۹۸ء میں قتل کی ۱۹۶ وارداتیں ہوئیں اور کل ۲۵۵ افراد مارے گئے جن میں ۱۵۸ عورتیں اور ۹۷ مرد تھے اگرچہ بیشتر وارداتوں میں اس امر کی تفصیل درج نہیں کہ جرم کیسے سرزد ہوا تاہم ۵۴ ا وارداتوں کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق مذکورہ قتل غیرت کے نام پر ہی کئے گئے ۴۶ مثالیں ایسی موجود ہیں جب دونوں کاری (عورت) اور کارو (مرد) کو قتل کیا گیا ان میں سے تقریباً ۵۰ فیصد وارداتوں میں عورتوں کے شوہر اور باقی میں رشتہ دار ملوث تھے ۸۱ عورتیں جو تنہا "کاری" کی حیثیت سے قتل ہوئیں ان میں سے ۴۰ کو ان کے شوہروں اور ۳۶ کو رشتہ داروں نے قتل کیا جن میں باپ، بھائی، چچا یا بیٹے شامل تھے ۵ عورتیں سسر، جیٹھ اور دیور کے ہاتھوں قتل ہوئیں ۲۷ مرد جو تنہا "کارو" کی حیثیت سے قتل ہوئے ان میں سے ۳ کو مبینہ "کاری" عورتوں کے شوہروں، ۲۱ کو رشتہ داروں اور ۳ مردوں کو سسرالی عزیزوں نے قتل کیا دیکھنے میں آیا ہے کہ ۸۵ فیصد وارداتوں میں جہاں عورت اور مرد شریک جرم ہوں تو تنہا عورت زندگی کے حق سے محروم کی جاتی ہے جبکہ صرف ۱۵ فیصد وارداتوں میں عورت کی بجائے مرد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ غیرت کے نام پر کئے جانے والے قتل کو بآسانی خاندانی مسئلہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ جس کی دادرسی کے لئے قانونی یا عدالتی کاروائی ناگزیر نہیں۔ قتل کی ایسی وارداتوں کو چونکہ قتل شبہ عمد کا نام دیا جاتا ہے اس لئے اگر قاتل قانون کی گرفت میں آبھی جائے تو عدالتوں کی تشریح اس کے لئے موافق صورتحال مہیا کرتی ہے جس میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ اگر کسی مرد کو یہ بتایا جائے کہ اس کی بیوی کے فلاں مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں اور اس کی غیرت اچانک اور شدید اشتعال میں آجائے اور اس حالت میں وہ خود پر مکمل اختیار نہ رکھ سکے تو وہ اپنے فعل کا مکمل طور پر ذمہ دار نہیں ہوگا۔ قصاص اور دیت آرڈیننس کے بعد یہ قانون ختم کر دیا گیا لیکن عدالتی دستور اب بھی ایسے ناموافق حالات کو تسلیم کرتا ہے۔

عورتوں کے خلاف سینٹ میں ڈرافٹ بل : یاد رہے کہ ۲۴ اگست ۱۹۹۸ء کو

سینٹ میں ایک بل پیش کیا گیا جس کی تیاری میں لاہور ہائی کورٹ کی ۱۹۹۴ء میں دی گئی ایسی ہی ایک عدالتی تشریح سے مدد لی گئی (۱)۔ بل نے ابھی قانون کی شکل اختیار نہیں کی۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سابق چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر اور دیگر خواتین تنظیموں نے اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ عاصمہ جہانگیر نے ایک بیان میں کہا کہ "یہ ڈرافٹ بل حکومت کے ان دعوؤں کی نفی کرتا ہے کہ حکومت غیرت کے نام پر قتل کو جائز قرار دینے والے ڈرافٹ بل کو سینٹ سے واپس لے کیونکہ اس بل کی منظوری کے بعد پاکستانی خواتین مزید عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گی اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد (خواہ وہ دیہات سے تعلق رکھتی ہو یا شہری علاقے سے) اپنی تمام تر صلاحیتوں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مردوں کے مساوی کام کرنے کے باوجود خانگی تشدد کا شکار ہوتی ہے اور عموماً کسی سے تذکرہ نہیں کرتی مرد کی بالادستی عورت کے جائز حقوق اور اس کے چال چلن تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ کار اس کی حرکات وسکنات اور عادات واطوار تک پھیلا ہوا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں وہ مرد کی غیرت کو پامال کرنے کی مرتکب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ دیر سے کھانا لانے، پلٹ کر جواب دینے یا ناپسندیدہ رشتہ داروں سے ملنے کی پاداش میں بعض عورتوں کو سنگین سزائیں دینے کی اطلاعات ملی ہیں۔

تاہم بین الاقوامی سطح پر حالیہ برسوں میں حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے ریاستوں کی ذمہ داری کے بارے میں عورتوں میں کافی حد تک شعور پیدا ہوا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھی عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمہ کے لئے چند سفارشات منظور کی تھیں (۲)۔ جو اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ "ریاستوں کو پوری تیزی کے ساتھ عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات کو روکنا چاہئے ان کی تفتیش کرنا چاہئے اور جرائم کے مرتکب افراد کو ملکی قوانین کے مطابق سزا دلوانی چاہئے۔ تشدد کا عمل ریاست کی جانب سے ہو یا اس کا ارتکاب عام افراد نے کیا ہو۔ حکومت کو ان بڑھتے ہوئے واقعات کا

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۲)۔ جنگ سنڈے میگزین، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء

فوری سدباب کرنا چاہیے"۔

غیرت کے نام پر عورتوں کا قتل : حال ہی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی پاکستان کے حوالے سے رپورٹ "غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل" پر رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے انسانی حقوق کے حوالے سے وفاقی حکومت کے مشیر پیر اعجاز ہاشمی نے کہا(۱) ہے کہ ہم انہیں غیرت کے نام پر قتل نہیں سمجھتے قتل تو قتل ہی ہوتے ہیں۔ ایسی وارداتیں کرنے والے ان پڑھ افراد ہیں حکومت ان واقعات کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہی۔ عورتوں کے خلاف ہونے والے تشدد کو روکنے کے لئے سزاؤں کے تصور کو یقینی بنایا جائے۔

غیرت کے نام پر قتل شبہ عمد قرار دے کر مجرم کو شک کا فائدہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ اکثر بعض دوسری وجوہات کی بنا پر کئے جانے والے قتل پر پردہ ڈالنے کے لئے واردات کو غیرت کے نام پر قتل کا نام دے دیا جاتا ہے۔ فوجداری قوانین پر نظر ثانی کی جائے تاکہ عورتوں کے لئے قانونی تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ غیرت کے نام پر قتل کے کیس فوری انصاف یا دہشت گردی کی عدالتوں کے سپرد کئے جائیں تاکہ مجرم کو فوری اور سخت سزا دی جاسکے۔ عورتوں کی خرید و فروخت پیسے کے عوض شادی یا انہیں کسی جرمانے یا سزا کے بدلے تاوان کے طور پر دینے کی روایت کو فوجداری جرم قرار دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ بلاامتیاز عورتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت نے اس سنگین مسئلے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ عورتوں کے اغواء اور "ریپ" کے واقعات میں اضافے کے رجحان کی خاص طور پر نشاندہی ہوتی ہے ان واقعات میں اکثر و بیشتر مقامی انتظامیہ اور علاقے کے بااثر افراد کا ہاتھ ہوتا ہے یا مجرمان کو ان کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں اپنی گونگی بہری پالیسی کے ذریعے ہمیشہ عورتوں کے خلاف تشدد کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اپنے پہلے دور اقتدار میں وزیر اعظم نواز شریف جس طرح جنسی تشدد کا شکار ہونے والی عورتوں کے سروں پر جاکر ہاتھ رکھتے تھے اور ان عورتوں کی نمائش ٹیلی ویژن کے

(۱)۔ جنگ سنڈے میگزین، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء

قومی نیٹ ورک پر کی جاتی تھی وہ ایک سستی پبلسٹی اور شعبدے بازی کے سوا کچھ نہ تھا اس سے ایک تو ان عورتوں کی مزید تذلیل ہوتی تھی اور دوسرے ان علاقوں میں مقامی انتظامیہ اور بااثر افراد چونکہ ان جرائم میں شامل ہوتے تھے اس لئے وہ ایک انتقامی رد عمل کے طور پر غریب عوام پر ظلم و ستم کے مزید پہاڑ توڑتے تھے اس لئے ان علاقوں میں عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ عورتوں کے خلاف تشدد کے واقعات کو روکنے کیلئے موثر قانون سازی اور ان قوانین پر سختی کے ساتھ علمدرآمد کرنا ضروری ہوتا ہے جو اس حکومت کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ عورتوں کو تحفظ فراہم کرنے میں حکومت کتنی غیر سنجیدہ ہے اس نے اس سلسلے میں کس بے حسی کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ اپنے سیاسی مفادات کی کس قدر غلام ہے اس کا اندازہ ان مثالوں سے ہوتا ہے کہ (۱) ایک مشیر کے بھتیجے نے گزشتہ دنوں لاہور میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک بد قسمت عورت کے ساتھ مبینہ طور پر گینگ ریپ جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا لیکن ان کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں ہو سکی ہے۔ پھر ایک اخباری اطلاع کے مطابق (۲) نوشہرو فیروز میں حکمران جماعت سے ضلعی سینئر نائب صدر نے ایک عورت کے ساتھ "ریپ" کیا لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ لاہور میں صائمہ کے قتل کو چار ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس پر دو صوبائی حکومتوں نے معمولی سی کارروائی بھی نہیں کی ہے بلکہ قتل کے اس بہیمانہ واقعہ کی مذمت میں حکومت کے کسی ذمہ دار افسر یا وزیر نے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ جہاں تک عورتوں کے قانونی و سیاسی حقوق کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی موجودہ حکومت کی کارکردگی شرمناک حد تک مایوس کن ہے۔ پارلیمنٹ میں خواتین کی مخصوص نشستوں کی بحالی کا مسئلہ گزشتہ نو برس سے التواء میں پڑا ہوا ہے، حکمران جماعت کو قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل ہے اور سینیٹ میں بھی کم از کم اس مسئلے پر اسے کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہے کیونکہ یہاں پاکستان پیپلز پارٹی کے سولہ سینیٹر پہلے ہی ان نشستوں کی بحالی کیلئے ایک آئینی

(۱)۔ روزنامہ جنگ، ۵ ستمبر ۱۹۹۹ء

(۲)۔ روزنامہ جنگ، ۵ ستمبر ۱۹۹۹ء

ترمیمی بل پیش کر چکے ہیں لیکن حکومت نے اس مسئلے کو سرد خانے میں ڈال رکھا ہے گزشتہ ڈھائی برسوں میں حکمران جماعت نے کوئی پچپن کے لگ بھگ بل پارلیمنٹ میں منظور کروائے ہیں لیکن ان میں ایک بھی بل ایسا نہیں ہے جو عورتوں کے حقوق سے متعلق ہو، چند ایک بل جو حزب اختلاف کے سینیٹرز نے سینیٹ میں پیش کئے ہیں انہیں بھی اسٹینڈنگ کمیٹیوں کے سپرد کر کے فراموش کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورتحال میں موجودہ حکومت کو عوام دشمن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عورت دشمن حکومت ہی کہا جاسکتا ہے۔"

عورت کے خلاف مظالم کی داستانیں : ایک مقامی انگریزی روزنامہ کے مطابق(۱) ضلع راولپنڈی میں صرف چھ ماہ کے مختصر عرصے میں عورتوں کے خلاف ہونے والے مظالم کی تعداد پینتالیس ہے۔ ان میں گیارہ کیس ایسے ہیں جن مین عورتوں کو زندہ جلایا گیا، چار کیسوں میں عورتوں پر قاتلانہ حملے کئے گئے، چھبیس کیسوں میں عورتوں کو مارا پیٹا گیا اور چار کیسوں میں عورتوں نے خودکشی کی۔ کرائم برانچ پولیس کی رپورٹ کے مطابق زندہ جلانے کے کیسوں میں ایک لڑکی کو سسرال والوں نے، دو عورتوں کو زمین کے تنازع پر، چار کو پرانی دشمنی پر جبکہ دو کو ناجائز تعلقات کے شبے میں اور تین کو دوسری وجوہات کی بنا پر زندہ جلا کر ہلاک کر دیا گیا۔ کرائم رپورٹر کے مطابق تقریباً چار پانچ عورتوں کو ہر روز جلنے کی وجہ سے ہسپتالوں میں داخل کرایا جاتا ہے جبکہ ان کیسوں کی رپورٹ پولیس کو نہیں دی جاتی اس کے علاوہ سیکڑوں کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں مرد عورتوں کو بے دردی کے ساتھ زدوکوب کرتے ہیں جسکی وجہ سے اکثر عورتیں یا تو ہلاک ہو جاتی ہیں یا پھر ان کے جسم کا کوئی حصہ مستقل ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے کیسوں کی رپورٹ تھانوں میں نہیں کرائی جاتی۔

گھریلو ملازم عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک : ایک سروے کے مطابق(۲) گھریلو ملازماؤں کے طور پر کام کرنے والی وہ خواتین جن کا تعلق پاکستان کے مختلف علاقوں سے ہے، کو کراچی لانے کا طریقہ کار بھی تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ غیر ملکی خواتین کو پاکستان

(۱)۔ روزنامہ ڈان کراچی، ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء

(۲)۔ روزنامہ جنگ کراچی

لانے کا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ان عورتوں کو اچھی ملازمتوں کا جھانسا دے کر جو گروہ کراچی لاتے ہیں ان میں وہ خواتین بھی شامل ہوتی ہیں جو خود کبھی اسی طریقے سے کراچی لائی گئی تھیں۔ مختلف صوبوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والی ان خواتین میں اکثریت کا تعلق بھاولپور، فیصل آباد، رحیم یار خان، ڈیرہ غازی خان اور ملتان سے ہے ان علاقوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں اپنی کراچی آمد کی وجہ زمینوں کا بنجر پن بتاتی ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ زراعت سے شعبے میں خواتین کا کردار مردوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مردوں کے مقابلے میں ہر صوبے اور علاقوں کی عورت اس شعبے میں کئی گنا زیادہ کام کرتی ہیں تاہم جن علاقوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے رپورٹ کے مطابق وہاں ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی جس سے ان زمینوں کے بنجر ہونے کے ثبوت ملتے ہوں اس کے برعکس کئی ایسے شواہد ملے جن سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے جن کا تعلق دوسرے علاقوں سے تھا اس علاقے کی زمینیں ٹھیکے پر لے کر آباد کیں۔ زمین بنجر ہونے یا روزگار نہ ہونے کے حوالے سے پنجاب کے دیگر علاقوں میں درج بالا علاقوں سے زیادہ سنگین صورتحال دیکھنے میں آئی چنانچہ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے کے مردوں کو محنت کی عادت ہی نہیں اور پنجاب کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں وہ اپنی عورتوں کو روزگار کیلئے علاقے سے باہر بھیجنا معیوب بھی نہیں سمجھتے، ان علاقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے مردوں میں تین مشاغل عام ہیں جن میں جوا کھیلنا، ہوٹلوں میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا اور ایک سے زائد شادیاں کرنا اور افسوسناک بات یہ ہے کہ نوجوان لڑکے بھی ان ہی عادات کے مالک ہیں۔ ان علاقوں سے متعلق تحقیق یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اونٹوں کی ریس میں استعمال ہونے والے بچوں کی اکثریت بھی ان ہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جبکہ منشیات کی اسمگلنگ اور بھیک مانگنے والوں میں بھی ان علاقوں کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ گھریلو ملازماؤں کے مسائل کے حوالے سے "جنگ" نے ضیاء الحق کالونی، محمود آباد، گلشن اقبال، ناظم آباد، لیاری کے علاقوں کا ایک سروے کیا سروے میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی گھریلو ملازماؤں کے ۱۰۰ گھر شامل کیئے گئے۔ سروے کے نتیجے میں جو نتائج سامنے آئے ان کے مطابق یہ خواتین صبح ۵،۶ بجے

سے رات کے ۱۰، ۱۱ بجے تک مسلسل مختلف کاموں کی انجام دہی میں مصروف رہتی ہیں۔ ۸۰ فیصد گھرانوں میں مرد کوئی کام نہیں کرتے، خواتین کی ۹۰ فیصد تعداد اپنی کمائی کی تمام تر رقم شوہر کو دیتی ہے اس رقم کو استعمال کرنے کے تمام تر اختیارات مرد کے پاس ہوتے ہیں، ان گھرانوں کے ۷۰ فیصد مرد کوئی نہ کوئی نشہ کرتے ہیں اور ان خواتین کی کمائی کا کم از کم ۵۰ فیصد نشے کے اخراجات پورے کرنے پر صرف کرتے ہیں، ۹۹ فیصد گھرانوں میں تمام تر فیصلوں کا اختیار مردوں کے پاس ہوتا ہے۔ سروے کے مطابق خواتین کی ۹۹ فیصد تعداد اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتی ہے، ۶۰ فیصد خواتین نے بچوں کی پیدائش میں وقفے یا کم تعداد کی خواہش کا اظہار کیا، ۱۵ فیصد خواتین نے بتایا کہ بیماری کی صورت میں ان کی مالکہ یا مالکان علاج کرواتے یا ایسی صورت میں کوئی معاوضہ دیتے ہیں، ۸۰ فیصد گھرانوں میں کم سن بچیاں بھی اپنی ماؤں کے ہمراہ جزوقتی یا کل وقتی ملازماؤں کے طور پر کام کرتی ہیں، ۶۰ فیصد عورتیں مختلف گھروں میں ملازمت کے علاوہ اپنے گھروں میں کشیدہ کاری، سلائی، لفافے، ازاربند بنانے یا اسی قسم کے دیگر چھوٹے چھوٹے کاموں کے ذریعے آمدنی میں اضافے کیلئے کام کرتی ہیں۔ تقریباً تمام ہی علاقے پانی کے کنکشن سے محروم ہیں جس کی وجہ سے خواتین، بچے اور بچیاں ایک ایک، ڈیڑھ ڈیڑھ میل دور سے پانی بھر کر لاتے ہیں، ۶۵ فیصد گھریلو ملازماؤں کے مطابق ان کے مالکان طے شدہ کاموں سے زیادہ کام لیتے ہیں، ۹۹ فیصد نے مطالبہ کیا کہ بسوں کے کرائے، دو وقت کے کھانے اور پرانے کپڑوں کے علاوہ حکومت ہماری ملازمت کے تحفظ کیلئے کوئی ایسا قانون بنائے جس سے مالکان ہمیں بغیر کوئی وجہ بتائے فوری طور پر نوکری سے نہ نکال سکیں۔ صحت کے حوالے سے پوچھے گئے سوالات کے نتیجے میں ان علاقوں میں ٹی بی، ملیریا، ڈائریا، جلد اور چند نسوانی بیماریاں نوٹ کی گئیں۔

غیر سرکاری تنظیمیں اور عورت کے حقوق: جنگ کے زیر اہتمام "موجودہ دور میں خواتین کے مسائل اور ان کا حل" کے موضوع پر منعقد مذاکرے میں خواتین کو درپیش مسائل کے حوالے سے تذکرہ کرتے ہوئے جامعہ کراچی کے شعبہ ویمن اسٹڈی سینٹر کی چیئرپرسن ڈاکٹر طاہرہ آفتاب نے کہا کہ انتظامی و سماجی اداروں کے فیصلہ طلب امور میں

عورت کی آواز دبی ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں میں خواتین کی نمائندگی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک جمہوری طریقے سے اقتدار میں آنے والی حکومت میں عورتوں کے نمائندے موجود نہ ہوں تو ایسی حکومت محض ایک قوت کی نمائندہ ہوتی ہے اور ایسی حکومت خواتین کے مسائل حل کرنے کے بجائے اس میں اضافے کا سبب بن جاتی ہے۔ خواتین کی آزادی کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اب جب کہ ہم ۲۰۰۰ء میں داخل ہونے والے ہیں اور یہ بات ہمارے لئے یقیناً شرمندگی کا باعث ہونی چاہئے کہ آج بھی ہماری خواتین کو حق رائے دہی کی آزادی نہیں، ان کے ووٹ پر دیگر اشخاص قابض ہوتے ہیں جو اپنی مرضی کے مطابق ان سے ووٹ ڈلواتے ہیں اور اس عمل کے لئے ان پر ہر اعتبار سے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔

معروف ادیبہ و شاعرہ اور غیر سرکاری تنظیم "وعدہ" کی صدر فہیدہ ریاض نے کہا کہ (۱) خواتین کے مسائل کا آغاز گھر کی چاردیواری سے ہوتا ہے۔ پاکستان میں لاکھوں گھروں کی لڑکیاں گھروں میں قید ہیں۔ انہیں روشنی، ہوا اور پانی جیسی سہولتوں سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت کو نقل و حرکت کی آزادی نہیں۔ مختصر سفر طے کرنے کے لئے اسے کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج بھی ملک میں سیکڑوں بچیاں ایسی ہیں جو بنیادی تعلیم سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں گھروں میں مردوں کے مقابلے میں خواتین سے جو امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ خواتین کو اپنی ذات کی نفی کرنے اور مردوں کے نقش قدم پر چلنے کی ذہنی تربیت دی جارہی ہے۔ جماعت اسلامی کراچی ڈویژن خواتین ونگ کی ناظمہ عابدہ نصر اللہ نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ قدرت نے خواتین کے نازک کندھوں پر آنے والی نسلوں میں اخلاقی قدروں کی منتقلی کی ذمہ داری ڈالی ہے لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ میڈیا کے غیر ذمہ دارانہ رویئے کے سبب آج عورت اپنی یہ ذمہ داری سنبھالنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ معاشرہ میں عورت غیر محفوظ ہے کیونکہ چاروں اطراف سے اس کی نسوانیت پر

(۱)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۷ ۲اگست ۱۹۹۹ء

ضرب پڑ رہی ہے۔ لیاری کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ کی صبیحہ غنی نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ مرد نے عورت کو بحیثیت فرد قبول نہیں کیا۔ جب معاشی ذمہ داری پوری کرنے کیلئے وہ گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو اسے وہ قبولیت اور درجہ نہیں ملتا جو ایک مرد کو حاصل ہے جس سے کئی نئے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عورت فاؤنڈیشن کی مہناز رحمٰن نے کہا کہ عورت کے مسائل اس کے دنیا میں آنے سے قبل ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ کر ذہنی تناؤ میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اگر لڑکی ہوئی تو تجھے طلاق دے دوں گا۔ دوسری صورت میں یعنی اگر بیٹی پیدا ہو جائے تو عورت پر تشدد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور عورت کی مثبت تعمیری صلاحیت کو ختم کر کے انہیں روایات و عزت کے نام پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج کی عورت کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مرد ملازمت پیشہ خواتین کو ہراساں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ انہیں جنسی، جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ معاشرے کے سماجی اور خود غرضانہ رویے کے سبب عورت عدم تحفظ کا شکار ہے۔ پیپلز پارٹی سندھ کی انفارمیشن سیکرٹری فوزیہ وہاب کے مطابق (۱) سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ خواتین کو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہے۔ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ مہر، وراثت اور طلاق کے معاملے میں ان کے حقوق کیا ہے لہٰذا انکی کم علمی کا فائدہ اٹھا کر مرد سماجی و معاشی طور پر خواتین کا استحصال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہرہ آفتاب نے دیہی خواتین کے مسائل کے حوالے سے انکشاف کیا کہ دیہی خواتین ناخواندگی کے سبب قومی اسمبلی کے نام بلکہ اہمیت سے ناواقف ہیں۔ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ ہماری سرزمین سے انگریز جا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی صحت کا خیال نہیں رکھا جاتا اس کی حیثیت ایک مشین کی طرح ہے جب تک وہ کام کرتی ہے آپ کو تسلی رہتی ہے لیکن جن وہ ناکارہ ہو جاتی ہے تو مرد اسے چھوڑ دیتا ہے۔ عورت کی یہ حیثیت اسلام کے اصولوں کے قطعاً منافی ہے۔ مہناز رحمٰن نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جس ادارے میں عورت موجود ہوتی ہے وہ عورت کے مسائل ہمدردی سے سنتی

(۱)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۷ ۲اگست ۱۹۹۹ء

ہے اور ان کے حل کے سلسلے میں سنجیدگی سے کام کرتی ہے لہٰذا تمام منتخب اداروں میں خواتین کے لئے ۳۳ فیصد نشستیں مخصوص کی جائیں تاکہ مسائل کا حل ممکن بنایا جاسکے۔

عورت اور جائیداد

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں وراثت اور مال کی تقسیم کے بارے میں واضح اور مفصل احکامات صادر فرمائے ہیں۔ تمام قرضوں کی ادائیگی اور وصیت کے بعد ترکے میں سے مرد اور عورت کے حصول کی قرآن کریم میں تقسیم متعین اور مقرر کردی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،(۱)

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّاقَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ٥

ترجمہ :۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ، حصہ مقرر ہے۔

قرآن کریم کے اس واضح حکم کی روشنی میں عورتوں کو جائیداد کی تقسیم میں مستقل حصہ دار شمار کیا گیا ہے اور اس میں سے کسی عورت کو محروم کرنا خدا کی نافرمانی کرنے کے مترادف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،(۲)

"يُوْصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ق لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَامَاتَرَكَ ج وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْدَيْنٍ ط اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٥

(۱)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۷

(۲)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱۱

ترجمہ :۔اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ اگر بیٹیاں دو سے زائد ہیں، تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک بیٹی ہے تو اس کے لئے آدھا حصہ ہے اور مرنے والے کے ماں باپ کے لئے، ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کا چھٹا حصہ ہے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ مرنے والے کی اولاد ہو اور اگر اس کی اولاد نہیں ہے اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اسکی ماں کا ایک حصہ تہائی اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اسکی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے مرحوم کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوں گے۔ تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے متعلق یہ نہیں جان سکتے کہ تمہارے لئے سب سے زیادہ نفع مند کون ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے بے شک اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے''۔

قرآن حکیم کے اس حکم کے مطابق مرحوم کے ترکہ کی جائیداد کی تقسیم میں ایک بیٹی ہونے کی صورت میں نصف جائیداد ملے گی، دو بیٹیوں کو ایک بیٹے کے برابر حصہ ملے گا۔ اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں گی تو ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔ اگر مرحوم کی اولاد یا بہن بھائی موجود نہیں تو پھر ماں کو ایک تہائی حصہ بصورت دیگر چھٹا حصہ ملے گا۔

قرآن نے ترکے کی تقسیم کی بنیاد اور اکائی لڑکی کو قرار دیا ہے یعنی تمام رشتہ دار لڑکی کے حصے سے گنے جائیں گے بالفاظ دیگر تقسیم وراثت کی بنیاد لڑکی کے حصے پر رکھی گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم ہے جو مسلمانوں کیلئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

خاوند کی وفات کی صورت میں اگر اولاد موجود ہو تو ترکے میں سے بیوی (عورت) کو آٹھواں حصہ بصورت دیگر ایک چوتھائی حصہ ملے گا اسی طرح مرنے والے کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو جسے شرع میں کلالہ کا نام دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں مرنے والے کی بہن کو اس ترکے کا نصف حصہ ملے گا اور اگر دو بہنیں ہوں تو بھائی کے ترکے میں سے ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔

اسلام نے وراثت میں عورت اور مرد کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر حصے مقرر کئے ہیں عورت کا کفیل مرد مقرر کیا گیا ہے اس لئے مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی (عورت)

اور اولاد پر خرچ کرے لیکن عورت کیلئے لازم نہیں کہ وہ کسی کی کفالت کرے بلکہ عورت چاہے تو اپنی ذاتی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے تو اسے اختیار ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا حصہ مرد کے مقابلے میں نصف مقرر کیا گیا ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ عورت کا ہر قسم کی جائیداد میں حصہ مقرر کیا گیا ہے خواہ وہ والدین، بہن بھائیوں کی طرف سے ہو یا پھر سسرال والوں کی طرف سے ہو۔ مرد کیلئے سسرال والوں کی طرف سے ترکہ میں کوئی حصہ مقرر نہیں اسلئے وراثت اور ترکہ میں عورت کو مرد پر فضیلت دی گئی ہے اور دونوں جانب سے وراثت میں حصہ دار ٹھہرائی گئی ہے۔

قانون

پاکستانی قانون میں عدالتوں نے مسلم قانون شخصی (Muslim Personal Law) (۱) میں سنی اور شیعہ فقہ کے مختلف اصولوں کے تحت بیٹیوں، بہنوں، ماؤں اور بیواؤں کے حقوق وراثت کے بارے میں فیصلے دیئے ہیں۔ عورتوں کی وراثت کے بہت کم معاملات عدالتوں تک پہنچے ہیں گو کہ عدالتوں نے مسلسل عورتوں کے جائیداد پر حق کو تسلیم کیا ہے خواہ معاملہ زرعی زمین کا ہو یا نقدی وراثت کا، پاکستانی آئین ۱۹۷۳ء (۲) بھی عورتوں کو جائیداد کی مالک بننے کا حق دیتا ہے۔

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق (۳) تمام شہریوں کو جائیداد کی خرید وفروخت کی آئینی اور قانونی حدود میں پوری آزادی حاصل ہے اور اس پر اس وقت تک پابندی نہیں لگائی جاسکتی جب تک اس سے عوامی مفادات مجروح نہ ہوں۔ اس کے علاوہ قانونی جواز کے بغیر کسی فرد خواہ وہ عورت ہو یا مرد کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا اور اگر حکومت قومی مفاد کے لیے کسی فرد کی جائیداد اپنے قبضہ میں لیتی ہے تو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کرے گی اور اگر پارلیمان شہریوں کی زیادہ سے زیادہ جائیداد کا قانون بنائے تو زائد جائیداد حکومت اپنی تحویل

---

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت 'قانون اور معاشرہ

(۲)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، بنیادی حقوق

(۳)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، بنیادی حقوق

ہیں لے سکتی ہے لیکن اس میں مرد و عورت کی کوئی قید نہیں۔

رسم و رواج

اسلام اور قانون عورت کے حق جائیداد، حق وراثت اور حق ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ پاکستانی عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا اور اسے جائیداد کا مالک بننے سے روکنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔

پنجابی عورت کو جائیداد سے محروم رکھنے کے مختلف بہانے : پنجاب کے رسم و رواج کے تحت (۱) غیر منقولہ جائیداد عورتوں کے نام نہیں کی جاتی۔ زمین اکثر اوقات چچا یا تایا کے قبضے میں رہتی ہے۔ اگر جائیداد پر عورتوں کے حق کو زبانی کلامی تسلیم کیا جاتا ہے مگر پنجاب کے بعض حصوں میں ماں کی زندگی میں لڑکیوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ ملتان اور بہاول پور میں کہیں کہیں حق بخشوانا، لڑکیوں کی شادی نہ کرنا یا ان کی شادی قرآن سے کر دینا .تاکہ وہ جائیداد میں حصہ دار نہ بن سکیں ایک عام سی رسم ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اسلام اور قانون نے بہن کا حصہ بھائی کے حصہ کا نصف مقرر کیا ہے لیکن پنجاب میں عموماً بہنیں بھائیوں کے حق میں جائیداد سے زبردستی دست بردار کروادی جاتی ہیں یا انہیں اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا کریں۔ جنوبی پنجاب میں بھائیوں کی موجودگی میں بہنوں کو جائیداد میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ پنجاب میں بیوہ اگر دوسری شادی کر لے تو اسے جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔

سندھی عورت کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے رسم و رواج : سندھ (۲) میں بھی عورتوں کو جائیداد کا کوئی حصہ نہیں ملتا۔ سندھی بیوہ عورت کو وراثت سے بچوں کے حق میں زبردستی دست بردار کرا لیا جاتا ہے۔ سندھی مردوں کا کہنا ہے کہ عورتوں کو شادی کے

---

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

(۲)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

وقت جائیداد کے بدلے میں جہیز دے دیا جاتا ہے اسلئے جائیداد میں ان کا حصہ باقی نہیں رہتا۔

حق بخشوانے کی جاہلانہ رسم : بڑے جاگیرداروں میں حق بخشوانے کا رواج ہے اس طرح عورت کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کرلیا جاتا ہے۔ بعض اوقات جائیداد کی وجہ سے عورتوں کو خفیہ طور پر قتل بھی کردیا جاتا ہے۔

سندھ میں کاروکاری کی رسم بد اور مظلوم عورت : ایک مقامی اخبار کی خبر کے مطابق (۱) صرف ایک دن میں صوبہ سندھ کے گاؤں وارہ میں کاروکاری کے سلسلے میں دو عورتوں کو قتل کردیا گیا۔ خیرپورناتھن شاہ میں جائیداد کی وجہ سے شوہر نے بیوی کا سر تن سے جدا کردیا۔ سکرنڈ میں جائیداد کیلئے عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ گوٹھ ماڑی لاشاری میں جائیداد ہتھیانے کیلئے ایک شخص کپتالی لاشاری نے اپنی ایک رشتہ دار خاتون پر وین کو فائیر کر کے ہلاک کردیا، خیرپورناتھن شاہ میں چوہدری انور نے کلہاڑیوں کے وار کر کے اپنی بیوی زرینہ کا سر تن سے جدا کردیا۔ ڈگری کے نواحی گاؤں محمد ہاشم چانڈیو میں ایک شادی شدہ عورت خاتون مسمات گڈی زوجہ محمد رمضان نے جائیداد کے تنازعے کی وجہ سے خودکشی کرلی۔

سرحد میں عورتوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا : صوبہ سرحد میں بھی (۲) عورتوں کو جائیداد کا کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ ڈیرہ اسماعیل خان، مردان، صوابی اور دیگر جگہوں میں عورتوں کو نکاح کے وقت جائیداد کا ایک حصہ حق مہر کے نام پر دیا جاتا ہے جو بعد میں ان سے بخشوا کر واپس کرلیا جاتا ہے۔ لڑکوں کی موجودگی میں عورتیں زمین کی وارث نہیں بن سکتیں اور نہ ہی باپ کی غیر منقولہ جائیداد بیٹیوں کے نام منتقل کی جاتی ہے۔ صوبہ سرحد میں بیواؤں کیلئے الگ سے وراثت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے اور عموماً انہیں جائیداد میں وارث کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔

---

(۱)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ اگست ۱۹۹۹ء

(۲)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

بلوچی عورت قبائلی رسم ورواج کے
مطابق جائیداد کی وارث نہیں ہوسکتی : بلوچستان میں بھی (۱) عورتوں کو جائیداد وراثت میں نہیں دی جاتی۔ قبائلی رسم ورواج کے مطابق عورتیں جائیداد کے مکمل وارث نہیں بن سکتیں ہزارہ جاتوں یانوآبادلوگوں میں عورتوں کو جائیداد میں حصہ دیا جائے تو مقامی سردار سماجی طور پر اسکو قبول نہیں کرتے جسکی وجہ سے عورتوں کو مجبوراًاپنی وراثت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔بلوچستان میں بیواؤں کی جائیداد ہتھیانے کیلئے انہیں سسرال میں ہی کسی سے دوبارہ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

دوسو عورتوں کو نجی جیل میں قید رکھا گیا : ایک خبار کے مطابق (۲) طالب شاہ اور اسکے بیٹے جعفر نے پندرہ سال سے لے کر چالیس سال تک کی تقریباً دوسو عورتوں کو مغربی پنجاب کے موضع جمن شاہ میں اپنے ڈیرے پر قید کئے رکھا جب سرکار نے مداخلت کی تو معلوم ہوا کہ بعض عورتیں پچیس پچیس سال سے وہاں قید رکھی گئیں ہیں ان عورتوں میں اکثر خواتین سرائیکی علاقے کے جاگیرداروں کی بیٹیاں تھیں اور ان کو وہاں وراثت میں ملنے والی جائیداد دینے سے بچنے کیلئے قید میں ڈالا گیا تھا۔

پاکستان رسم ورواج کے تحت عورتوں کو جائیداد سے محروم کرنے کے لئے حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں۔ مردوں کا کہنا ہے کہ باپ دادا کی جائیداد کو تقسیم کرنا مشکل کام ہے، بیٹیوں کو اگر جائیداد دی جائے تو ان کے شوہر جو غیر بھی ہوسکتے ہیں ان کے علاقے یا گاؤں میں آکر زمین کا انتظام سنبھالنے سے علاقے کے سماجی اور سیاسی توازن میں ہلچل پیدا ہوتی ہے۔

یتیم بیٹیوں کی جائیداد پر رشتہ دار قبضہ کرلیتے ہیں : ایک اخباری خبر کے مطابق (۳) محمد حسین نامی ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس وقت اسکی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی بلکہ

(۱)۔شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

(۲)۔ڈیلی دی نیشن، ۷ ستمبر ۱۹۹۴ء (۳)۔ڈیلی دی مسلم اسلام آباد، ۷ جولائی ۱۹۹۱ء

آٹھ بیٹیاں تھیں مرحوم کی کافی زرعی اراضی تھی جس کا انتظام بڑی بیٹی زبیدہ نے سنبھال لیا
لیکن اسکے چچا نے اسکی زمین پر زبردستی نہ صرف قبضہ کرلیا بلکہ دوسری تین بیٹیوں کو
یرغمال بھی بنالیا چنانچہ ہائی کورٹ کی مداخلت سے ان بیٹیوں کو رہائی نصیب ہوئی مگر زمین کا
تنازعہ جاری رہا۔ بعض مقامات پر یہ رواج ہے کہ (۱) اگر کوئی لڑکی صرف جائیداد کی خاطر
شادی سے انکار کردے اور پوری زندگی مجرد گزار دے تو آخری عمر میں جب وہ قریب المرگ
ہو جاتی ہے تو اسے جائیداد میں سے حصہ دے دیا جاتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد یہ
جائیداد واپس اسی خاندان کے افراد کے قبضے میں آجائے۔

ایک اخبار کی یہ خبر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ (۲) زمین کی خاطر ماں اور اس کی
دو بیٹیوں، شہناز اور رضیہ کو کمالیہ میں اس کے تین بیٹوں نے کلہاڑی سے قتل کردیا
کیونکہ بیٹیوں نے باپ کی جائیداد میں سے ماں اور بہنوں کا حصہ مانگا تھا اور جب انہوں
نے جائیداد کی تقسیم پر زیادہ اصرار کیا تو انہیں کلہاڑی سے ضربیں لگا کر قتل کردیا گیا۔

روایتی طور پر پاکستان کے عموماً تمام علاقوں میں عورتوں کو وراثت میں حصہ دینے
سے نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ رسم ورواج کے مطابق زیادہ تر لوگ قریب ترین رشتہ داروں
کے علاوہ باقی رشتہ داروں پر مسلم فقہ یا مسلم قانون کے وراثت سے متعلق پیچیدہ قوانین پر
عمل نہیں کرتے اس طرح چچیاں، پھوپھیاں، تائیاں، ممانیاں اور بہنیں جائیداد کی تقسیم کے
وقت نظر انداز کردی جاتی ہیں اور قریبی رشتہ دار مرد اس جائیداد پر قبضہ کرلیتے ہیں۔

عورتوں کو جائیداد سے محروم کرنے

کیلئے شوہر کے قتل کا جھوٹا الزام : قانون کے مطابق مرحوم کے کفن دفن اور وصیت
پورا کرنے کے بعد وراثت میں سے سب سے پہلی ادائیگی بیوہ کے مہر کی ہونی چاہیئے خواہ یہ
جائیداد منقولہ سے ہو یا غیر منقولہ سے مگر عام طور پر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ مہر کی ادائیگی کو کوئی
خاص وقعت اور اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس طرح بیوہ کو اسکے قانونی حق سے محروم کردیا

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

(۲)۔ ڈیلی دی مسلم اسلام آباد، ۵ مئی ۱۹۹۳ء

جاتا ہے۔ بیوہ کا جائیداد پر اپنا حق وصول کرنے کا دارومدار رسم و رواج کے علاوہ اس بات پر بھی ہے کہ دونوں خاندانوں کی مالی اور سماجی حیثیت کیا ہے لیکن عام طور پر بیوہ کو جائیداد سے محروم کرنے کیلئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملتان کی سینٹرل جیل میں قید عورتوں کا سروے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ (۱) زیادہ تر عورتوں پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے۔ یہ الزام اس وجہ سے ان عورتوں پر لگایا گیا تاکہ وہ عورتیں اپنے شوہروں کی جائیداد کی وارث یا حصہ دار نہ بن سکیں۔

بلوچی عورت کو اس کا خاوند بستر مرگ پر

جائیداد بچانے کی خاطر طلاق دے دیتا ہے : بلوچستان میں اگر کوئی شوہر بستر مرگ پر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ اس کی جائیداد میں حصہ دار نہیں بن سکتی۔ عورت کو جائیداد کے حق سے محروم کرنے کیلئے مردوں کو بستر مرگ پر بھی اپنے اللہ کے حکم کی پرواہ نہیں رہتی اور وہ مرتے وقت اپنی بیوی کو طلاق دیکر بدترین عمل کے مرتکب ہونے سے بھی نہیں گھبراتے۔ صرف اس بات کو تصور میں لاکر دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مردوں کے اس معاشرے میں عورتوں کے بنیادی حقوق کس بھونڈے انداز میں پائمیال کئے جاتے ہیں۔ جس معاشرے میں بستر مرگ پر بھی خدا اور رسولؐ کے احکام کی پابندی سے روگردانی کھلے عام کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کی جائے تو ایسے معاشرے کو مسلم معاشرہ کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔

---

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

عورت اور پردہ

پردے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،(۱)

"وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔" ص

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے،(۲)

"اور اے نبی' مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں"۔

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا متفقہ قول ہے کہ (۳) مومن عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ کسی اجنبی مرد کے سامنے کھولے لیکن ضرورت کے وقت اسکی اجازت ہے۔ ضرورت شرعی سے مراد یہ ہے کہ عورت کے علاج کا مسئلہ ہو، اسکو گواہی دینا ہو، لین دین کے سلسلے میں اسکو دستخط کرنے ہوں، شادی کے وقت، مرد عورت کو دیکھنے کی خواہش کرے یا پھر غیر ارادی طور پر بدن کا کوئی حصہ ننگا ہو جائے تو اس قسم کی صورتوں میں عورت کے بدن کا غیر مرد کے سامنے نمودار ہونا قابل مؤاخذہ نہیں تاہم ان حضرات نے اجازت کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ جب عورت کو اجنبی مرد سے فتنہ کا اور عصمت کا خطرہ نہ ہو۔ بعض دیگر آئمہ کرام بھی ہرگز جائز نہیں سمجھتے کہ عورت شرعی ضرورت کے بغیر اپنے بدن کے کسی حصہ کو اجنبی مرد کے سامنے کھولے تاہم اکثر آئمہ کرام چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا جائز کہتے ہیں۔ علمائے کرام کا نقطہ نظر اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مغرب زدہ

(۱)۔ القرآن، سورہ نور، آیت نمبر ۳۱

(۲)۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد نمبر سوم، صفحہ نمبر ۳۸۳

(۳)۔ حسن اعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

خواتین اعتدال سے گزر کر نیم عریانیت کی جانب راغب ہیں جو یقیناً فتنہ وفساد کی جڑ ہے۔

حضرت محمد بن مسلمؓ فرماتے ہیں کہ (۱) میں نے ایک عورت کو پیام نکاح بھیجا اور میں باغ میں چھپ جایا کرتا تھا تاکہ اسکو دیکھ لوں یہاں تک کہ میں نے اسکو اس کے باغ میں دیکھ لیا۔ کسی نے کہا تم رسول اللہ کے صحابیؓ ہو کر یہ کیا کر رہے ہو، یہ سن کر میں نے جواب دیا کہ میں نے حضور انور ﷺ سے سنا ہے کہ جب خدا کسی کے دل میں یہ بات پیدا کرے کہ وہ کسی عورت سے منگنی کا ارادہ رکھتا ہے تو اس عورت کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں (سنن ابن ماجہ)۔

ایک اور حدیث میں مغیرہؓ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ (۲) میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک عورت کے متعلق شادی کرنے کا ذکر کیا حضورؐ نے فرمایا جاؤ اور اس کو دیکھ لو کیونکہ اس سے تمہارے دلوں میں تعلق پیدا ہوگا۔ میں اس لڑکی والدین کے پاس اسکی خبر پہنچانے کیلئے گیا اور حضورؐ کا فرمان پہنچایا، ان دونوں نے اس قول کو اچھا تصور نہ کیا، میں نے اس لڑکی کو پردہ کے پیچھے سے کہتے ہوئے سنا کہ اگر حضورؐ نے دیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے تو دیکھ لو، اگر تو نے اپنی مرضی سے ایسا کہا ہے تو بڑی مکروہ بات کی، الغرض میں نے اس کو دیکھ لیا اس کے بعد اس سے شادی کر لی اور ہم دونوں میں موافقت ہونے کا تذکرہ حضورؐ نے کیا۔

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورتوں کو چاہیئے چادر اوڑھ کر باہر نکلیں البتہ بوڑھی عورتوں کیلئے چادر کی حد تک رعایت رکھی گئی ہے یعنی وہ صرف اوڑھنی اوڑھ کر باہر نکل سکتی ہیں بڑی چادر کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

"وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ط

(۱)۔ حسن اعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

(۲)۔ حسن اعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

یعنی بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں اگر اپنے کپڑے چادر وغیرہ اتار رکھا کریں تو کوئی حرج نہیں جبکہ ان کو بناؤ سنگھار رکھانا منظور نہ ہو"۔(۱)

زمانہ رسالتؐ میں غزوۂ اُحد کے دوران (۲) حضرت عائشہؓ نے مشک اُٹھا کر زخمیوں کو پانی پلایا۔ سیرت میں ایسے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں جن میں مسلم خواتین نے غزوات کے موقع پر زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور مجاہدین کو تیر اور دیگر ہتھیار لا کر دیئے۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں مسجدوں میں عورتیں نماز کیلئے آیا کرتی تھیں اور بچوں کے پیچھے ان کی صفیں ہوا کرتی تھیں جس کا بیان فقہ کی کتابوں میں متعدد مقامات پر مذکور ہے اور اس کی مزید تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے عمرہ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا(۳) جو باتیں اب عورتوں نے ایجاد کی ہیں (خلاف شرعی) اگر رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھ پاتے تو ان عورتوں کو مسجدوں میں نماز کے لئے آنے سے منع فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئی تھیں۔ حج کے دوران عورتوں پر لازم ہے کہ وہ منہ سے چادر ہٹا کر طواف کریں اور دوسرے ارکان کی ادائیگی کریں۔

غزوۂ خندق کے دوران حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں، حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ (۴) حملہ آور یہودی کو قتل کر دیں مگر حضرت حسانؓ نے عذر کیا تو حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود میدان میں اتریں اور اس یہودی کو وہیں مار گرایا۔ اس جنگ میں شاید یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت نے دکھائی۔

حضرت ام عمارہ مشہور صحابیہؓ ہیں (۵) جو بیعت رضوان میں شریک تھیں۔ یہ وہی خاتون ہیں جو جنگ اُحد کے دوران حملہ آوروں کو مار مار کر رسول اکرم ﷺ سے پیچھے ہٹا

---

(۱)۔ القرآن، سورہ النور، آیت نمبر ۶۰ (۴)۔ حسن الاعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

(۲)۔ علامہ شبلی نعمانی، کتاب المغازی غزوہ احد (۵)۔ ایضاً

(۳)۔ بخاری شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۵۲، جلد نمبر اول، صفحہ نمبر ۳۹۸

رہی تھیں جسکی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوئیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں مسلیمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں ام عمارہ بھی شریک ہوئیں اور لڑتے ہوئے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء (۱) اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ شریک تھیں۔ یرموک کی لڑائی میں مسلمانوں کو ہزیمت ہو چکی تھی (۴) مگر مسلمان عورتوں نے تلواریں کھینچ لیں اور رومیوں پر حملہ کر دیا ان میں ہندؓ، خولہؓ، ام حکیمؓ اور اسماء بنت ابی بکر کا نام مشہور ہے۔ طرابلس کی جنگ میں فاطمہ بنت عبداللہؓ عین میدان کارزار میں زخمی سپاہیوں کو مشک سے پانی پلاتے ہوئے شہید (۲) ہوئیں۔

مندرجہ بالا واقعات کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ہم بلا مبالغہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ عورتیں شٹل کاک برقعوں میں ہرگز ملبوس نہ تھیں جو مردوں کی طرح میدان جنگ میں نبرد آزما رہیں۔ موجودہ دور یقیناً حقوق العباد اور مساوات کا دور ہے جس میں مظلوم مرد اور عورتیں اپنے حقوق کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ سیاسی اور معاشی غلامی کے خاتمے کیلئے کوششیں ہو رہی ہیں۔ ہر قوم میں یہ جذبہ پیدا ہو چکا ہے کہ ترقی اور تہذیب کا مدار اس پر ہے کہ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے اور اس امر کی ضرورت پیدا ہو چکی ہے کہ تمام قدیم قوانین اور رسومات کو بدل کر عادلانہ اور منصفانہ نظام رائج کیا جائے۔ جس تمدن میں عورت اپنے معاش کیلئے کلیتاً مرد کی محتاج ہو گی ایسا معاشرہ ہرگز ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ (۳) "اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور تمام مسلمانوں کی بیویوں کو کہہ دو کہ وہ باہر نکلتے وقت اپنی چادریں نیچی کر لیا کریں" اگر مسلمان عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ چادریں نیچی کرنے کی ہدایت نہ کی جاتی۔ غور کریں کہ یہ ہدایت کیوں دی جا رہی ہے؟ درحقیقت مردوں کو باز

---

(۱)۔ حسن الاعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

(۲)۔ حسن الاعظمی، شرعی پردہ اور مسلم خاتون

(۳)۔ القرآن، سورہ احزاب، آیت نمبر ۵۹

رکھنے کیلئے تا کہ وہ عورتوں کا بغور جائزہ نہ لیں اور انہیں آزادی سے اپنے کاموں کو سرانجام دینے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ مرد کیلئے غیر محرم عورت کا سارا بدن ستر ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ مرد کیلئے جائز نہیں کہ وہ عورت کے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے سوا بدن کے دوسرے حصوں کو دیکھے۔ تفسیر کبیر میں بھی مرد کو پابند کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں کے ہاتھوں اور چہرہ کے علاوہ کسی دیگر حصے کو نہ دیکھیں چاروں اماموں کے علاوہ سعید ابن جبیر، اور عبد القادر محدث دہلوی کے نزدیک عورت کے باہر نکلنے پر اسلام کوئی پابندی نہیں لگاتا بشر طیکہ اس کا تمام بدن سوائے ہاتھوں اور چہرہ کے کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے ہوں البتہ مردوں پر پابندی لگاتا ہے کہ وہ عورتوں کو خواہ مخواہ نہ دیکھیں بلکہ منہ پھیر لیا کریں۔ ہر پاکستانی بلا جھجھک یہ کہہ سکتا ہے کہ پاکستانی عورتیں جب بھی گھر سے نکلتی ہیں ان کے ہاتھ اور چہروں کے علاوہ تمام بدن کپڑے سے ڈھکا ہوتا ہے۔

حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ (۱) رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ راستوں پر نہ بیٹھا کریں، جب صحابہؓ نے عرض کیا کہ راستوں پر بدرجہ مجبوری بیٹھنا پڑتا ہے تو فرمایا کہ "راستہ کو اس کا حق دو اور راستہ کا حق یہ ہے کہ نیچی نگاہ رکھی جائے، ایذا کو روکا جائے، سلام کا جواب دیا جائے، نیک بات کا حکم دیا جائے اور بری بات سے روکا جائے"۔ اس حدیث سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ عورت کو دیکھ کر مرد کو چاہیئے کہ فوراً نگاہ نیچی کر لے۔ اگر کوئی مرد اس حکم پر عمل نہیں کرتا تو اس میں عورت کا کیا قصور ہے؟ یہ کون سا انصاف ہے کہ عورت کو گھر میں مقید کر دو تا کہ بد معاش مردوں کو نگاہیں نیچی نہ کرنی پڑیں۔

قرآن حکیم میں متعدد آیات موجود ہیں جن میں عورتوں کے باہر جانے کے آداب بتائے گئے ہیں مثلاً اگر کوئی عورت باہر جائے تو،

1۔ اپنی زینت نہ ظاہر کرے۔
2۔ اپنے پیر اس طرح نہ مارے کہ اس کا پوشیدہ زیور نظر آنے لگے۔
3۔ اپنے اوپر چادر ڈال لیا کرے تا کہ یہ اسکے لئے شناخت بن سکے اور کوئی

---

(۱)۔ بخاری شریف

اسکو ایذا نہ دے۔

4۔ جاہلیت کے زمانے کی عورتوں کی طرح حد سے زیادہ ناؤ سنگھار نہ رکھائے۔

ان آداب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی شعور انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں قید رکھنا اسلام کا منشاء ہوتا تو باہر نکلنے کے آداب کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلامی پردہ اور رسمی پردہ میں زمین آسمان کا فرق ہے رسمی پردہ کی مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں۔

1۔ رسمی پردہ کی موجودگی سے اسلامی پردہ کی سراسر خلاف ورزی ہوتی ہے۔

2۔ رسمی پردہ کی وجہ سے پاکستانی قوم کا نصف حصہ بیکار کر دیا گیا ہے۔

3۔ رسمی پردہ مساوات انسانی کے خلاف ہے۔

4۔ رسمی پردہ آزادی نسواں میں نفی کی کرتا ہے۔

5۔ رسمی پردہ تعلیم نسواں میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

6۔ رسمی پردہ عورتوں کیلئے بے جا مرد کا تسلط اور دباؤ کا اظہار ہے۔

7۔ رسمی پردہ مردوں کی اس کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اپنی عورتوں پر اعتماد نہیں کرتے۔

قانون

پاکستان میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں جو عورتوں کے باہر آنے جانے پر پابندی لگاتا ہو۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوانے یا دوسرے ممالک میں نوکری کرنے پر عورتوں کیلئے کوئی پابندی نہیں۔

پاکستان کے آئین کے بنیادی حقوق تحت پاکستانی عورتوں اور مردوں کو نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہے۔ عوامی جگہوں پر بلا روک ٹوک جانے کی آزادی ہے(۱)۔ کاروبار،

(۱)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، آرٹیکل نمبر ۱۵، ۲۶، ۱۸

تجارت اور ملازمت کرنے کی آزادی ہے۔

رسم ورواج

اگرچہ رسم ورواج کے تحت پاکستانی عورت کو نقل وحرکت کی آزادی ہے اور پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کی عورتیں کسی نگران کے ساتھ سفر بھی کرسکتی ہیں تاہم دیر، سوات اور کچھ پٹھان گھرانوں میں عورتوں کی آمدورفت پر پابندی ہے۔ کوہاٹ، بنوں، مردان اور ڈیرہ اسماعیل خان میں آمدورفت پر عورتوں پر کوئی پابندی نہیں (۱) لیکن انہیں رسمی پردہ کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ عموماً شٹل کاک والا برقعہ اڑھایا جاتا ہے جسکی وجہ سے عورتیں بازاروں اور رش میں آسانی سے نہیں چل سکتیں۔

سندھ (۲) میں بہت سے خاندانوں میں قریب ترین رشتہ دار سے بھی عورت کو پردہ کرایا جاتا ہے۔ سماجی تقریبوں میں مرد اور عورتیں الگ الگ بیٹھتے اور کھانا کھاتے ہیں۔

قبائلی خان، بلوچی سردار اور سندھی

وڈیرے کا عورت کے ساتھ سلوک : قبائلی خان، بلوچی سردار اور سندھی وڈیروں کی عورتوں (۳) پر سخت ترین پابندیاں عائد ہوتی ہیں انکی آمدورفت، آزادانہ ماحول میں نہیں ہوتی۔ پاکستان میں مخلوط ذریعہ تعلیم کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں عورتوں کے کام کرنے پر کوئی پابندی نہیں رسم ورواج کے تحت بھی عورتوں کے کام کرنے پر کوئی پابندی نہیں لیکن کوئی بھی عورت اپنے شوہر، باپ یا بھائی کی اجازت اور انکی مرضی کے بغیر کہیں ملازمت نہیں کرسکتی۔ عورت کی ملازمت یا مزدوری سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر مرد حضرات اپنا حق سمجھتے ہیں اور عورتوں کی کمائی ہوئی تمام دولت پر مرد قبضہ کرلیتے ہیں اس طرح دیہاتی عورت استحصال کا شکار ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف پنجاب

---

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت' قانون اور معاشرہ

(۲)۔ ایضاً

(۳)۔ ایضاً

میں ۲۴۵۵ اینٹوں کے بھٹوں پر ۴۵ فیصد عورتیں کام کرتی ہیں (۱) ۔دیہاتوں میں جہاں ۸۰ فیصد لوگ آباد ہیں وہاں کھیتی باڑی پر ۸۳ فیصد عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ پتھر کی کانوں میں مردوں کے مقابلے میں تقریباً ۱۶ فیصد عورتیں مزدوری کرتی ہیں۔

رسمی پردے کی پابندی: پاکستان کے جن گھرانوں میں خوشحالی ہے وہاں عورت کو رسمی پردے کا پابند بنا کر رکھا جاتا ہے اور جہاں غربت ہے وہاں رسمی پردے کی قید ختم کر کے اسے کمائی کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں مرد حضرات عورت کا استحصال کرتے ہیں۔

تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار اور پردہ: تحریک پاکستان کے حوالے سے جن خواتین نے حصولِ آزادی کیلئے جدوجہد کی انکے اسمائے گرامی ہیں، (۲) ''بی اماں، بیگم محمد علی جوہر، محترمہ فاطمہ جناح، بیگم جہاں آراء شاہنواز، لیڈی نصرت عبداللہ ہارون، بیگم رعنا لیاقت علی خان، بیگم اقبال حسین ملک، انجم آراء بیگم، راحیل خاتون شیروانی، بیگم قیصرہ انور علی، بیگم سلمٰہ تصدق حسین، بیگم گیتی آراء بشیر احمد، بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم وقار النساء نون، بیگم محمد وسیم، حسن آراء بیگم، بیگم نواب اسمٰعیل خان، بیگم خورشید عبدالحفیظ، بیگم عفت الٰہی علوی، بیگم زاہد قریشی، لیڈی ہدایت اللہ، بیگم رضاء اللہ، ذکیہ بیگم نقوی، بیگم پاشا صوفی، اور نورالصباح بیگم وغیرہ مشہور ہیں'' یہ تمام خواتین ہم سب کیلئے بلکہ آنے والی نسلوں کیلئے واجب الاحترام ہیں۔ یہ سب عورتیں کھلے چہرے اور کھلے ہاتھوں کے ساتھ عام جلسوں میں جاتیں تھیں، تقریریں کیا کرتی تھیں اور سیاسی معاملات میں مردوں سے ملاقاتیں بھی کرتی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی خاتون اس رسمی پردے میں نہیں ہوتی تھی جسکی پابندی کیلئے پاکستان کے چند علمائے کرام زور دیتے ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے الیکشن میں حصہ لیا تو تمام اسلامی جماعتوں نے ان کا ساتھ دیا۔ محترمہ عام لباس میں ہوتی تھیں اور کسی بھی عالم نے آپ پر بے پردہ ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا۔ پس جن عورتوں کو زبردستی شٹل کاک برقع پہنایا جاتا

(۱)۔ مجھ پر سنگ اٹھاؤ، ترجمہ طاہرہ حبیب

(۲)۔ نورالصباح بیگم، تحریکِ پاکستان اور خواتین

ہے یا زبردستی گھروں میں مقید کیا جاتا ہے ایسا صرف اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی ضرورت کے تحت کیا جاتا ہے، اسلام اور قانون میں ایسی کوئی پابندی موجود نہیں۔

پردہ کے بارے میں ایک تجزیہ : اسلام بحیثیت فطری اور اعتدال پسند دین ہونے کی وجہ سے غیر فطری اصولوں کی طرف داری یا پاسداری نہیں کرتا۔ اسلام عورتوں کو فرنگی تہذیب کے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی ان کو کسی چار دیواری میں اسطرح قید کرنا چاہتا ہے کہ وہ معاشرے کا ایک بیکار عنصر بن جائیں۔ امام بخاریؒ کی ایک حدیث میں بیان ہے کہ (۱) "جن باتوں کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے انہیں بجالاؤ اور خواہ مخواہ اپنی طرف سے تشدد و سختی پیدا نہ کرو"۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں ان میں مفسر، محدث، مجتہد اور عالم دین بھی موجود ہیں لیکن ہر جگہ پردہ کی وہ تشریح نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس طرح کا عمل درآمد ہوتا ہے جس طرح کا پاکستانی علمائے کرام پاکستانی خواتین کیلئے تجویز کرتے ہیں۔ ایک ہی قرآن اور ایک ہی حدیث پر عمل کرنے والے اتنے مختلف کیوں ہیں۔ مولانا سلیمان ندوی اپنے سفر نامہ افغانستان میں لکھتے ہیں کہ "درّہ خیبر کے شروع سے لے کر یہاں تک دیہاتی پٹھان خواتین سر سے پاؤں تک سیاہ کپڑوں میں مستور کھلے منہ بڑی آزادی سے آجا رہی تھیں، بدن پر گھٹنوں تک سیاہ کرتے، بڑے گھیر کی عموماً سیاہ شلواریں، سر سے پاؤں تک سیاہ چادریں، ہر قسم کے زیور اور ظاہری آرائش سے تمامتر پاک، ان کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ شاید اصل سادہ اسلامی پردہ یہی ہوگا" (۲)۔

---

(۱)۔ بخاری شریف

(۲) سفر نامہ افغانستان، مولانا سید سلیمان ندوی

عورت بحیثیت حاکم

قبل از اسلام عورت کو کمتر سمجھا جاتا تھا اور احساسِ کمتری اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ کفارِ مکہ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیتے تھے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، (۱)

"وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۵۸ يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ

ان میں سے جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق ہو جایا کرتا تھا اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا تھا۔ جس بات کی یعنی بیٹی کی پیدائش کی اسے خبر دی گئی عار (شرم) کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور سوچتا تھا کہ آیا اس ذلت کو برداشت کر کے اپنی بیٹی کو زندہ رہنے دے یا اسے مٹی میں زندہ در گور کر دے"۔

لیکن جونہی اسلام کی روشنی پھیلی تو اسلام نے ایسی رسمِ قبیح کو نہ صرف ختم کرنے کا اعلان کیا بلکہ اسے قتلِ عمد سے تعبیر کر کے گناہ کبیرہ کے زمرے میں داخل کر دیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ مرد اور عورت انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی نفس واحدہ سے پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، (۲)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور پھر اس جاندار سے ایک جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

---

(۱)۔ القرآن، سورہ النحل، آیت نمبر ۵۸،۵۹

(۲)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج وَ
لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹۷

جو شخص بھی نیک کام کرتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم ان انسانوں کو دنیا میں پرآسائش زندگی اور آخرت میں اچھے کاموں کا اجر دیں گے "(۱)۔

قرآنِ حکیم کی اس وضاحت کے بعد کہ تمام انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں اگر وہ عمل صالح پر عمل پیرا ہیں تو ان کے لئے اللہ کے نزدیک برابر برابر اجر ہے یہ ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کے نزدیک زیادہ معزز صرف وہ (مرد یا عورت) ہے جو زیادہ پرہیزگار اور متقی ہے۔ قرآن کی اس وضاحت کے بعد یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے عورت سے نفرت کرنے والے مکہ کے مرد...... کافرتھے اور بعد کے زمانے میں بھی جن لوگوں نے عورت کو کمتر اور ذلیل سمجھا وہ جاہلین میں شمار کیے گئے۔

اب ہم قرآن کے حوالے سے دیکھتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ عورت کی حکمرانی یا امامت کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے،(۲)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ م بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۲۲ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۲۳ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۲۴

اور اس نے (یعنی ہدہد) نے کہا کہ میرے علم میں وہ چیز ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے اور میں ملک سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت اس پر حکمرانی کر رہی ہے اور اسے سب کچھ حاصل ہے اور اسکا تخت (حکومت) بہت بڑا ہے۔ میں نے اسے اور اسکی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا، سورج کو پوجتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال، ان کی نگاہوں میں پسندیدہ بنا دیئے ہیں، پس انہیں صحیح راستے سے روک دیا ہے، پس وہ صحیح راستہ

(۱) القرآن، سورہ النحل، آیت نمبر ۹۷

(۲) القرآن، سورہ النمل، آیت نمبر ۲۲، ۲۳، ۲۴

نہیں پا رہے"۔

قرآنِ حکیم میں بیان کردہ ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دور میں ایک عورت جس کا نام ملکہ سبا تھا، ایک ملک کی باوقار حکمران تھی۔ قرآنِ کریم کی تفصیلات کی روشنی میں بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کے دینِ الٰہی قبول کر لینے کے بعد شادی کر لی تھی اور بعض دوسرے مفسرین کے مطابق ملکہ سبا، حضرت سلیمانؑ سے ملاقات کے بعد واپس اپنے ملک چلی گئی تاہم اس نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ مولانا امین اصلاحی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ (۱) ملکہ سبا واپس اپنے ملک میں گئی اور حکمرانی کرتی رہی جبکہ اس نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت قبول کر کے اللہ کے دین کو قبول کر لیا تھا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ نہ ہی قرآن نے ملکہ سبا کی حکمرانی کو اللہ کے حکم کے خلاف قرار دیا اور نہ ہی حضرت سلیمانؑ کا کوئی ایسا بیان قرآن میں یا تاریخ میں موجود ہے کہ رسول ہونے کے باوجود انہوں نے ملکہ سبا کی حکمرانی کو باطل قرار دیا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سابق ریاست بھوپال میں مسلمان عورتوں کی حکومت کے حق میں فتویٰ دیا تھا اور ان کا یہ فتویٰ (۲) اب بھی ان کی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں موجود ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، (۳)

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۵۵ ۔

---

(۱)۔ عورت بحیثیت حکمران، پروفیسر محمد یاسین شیخ

(۲)۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مجموعہ فتاویٰ،

(عورت بحیثیت حکمران از پروفیسر محمد یاسین شیخ)

(۳)۔ القرآن، سورہ النور، آیت نمبر ۵۵

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسیا اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

ابو الاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے (۱) "اس ارشاد سے مقصود منافقین کو متنبہ کرنا ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو خلافت عطا فرمانے کا جو وعدہ کیا ہے اس کے مخاطب محض مردم شماری کے مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جو صادق الایمان ہوں، اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے صالح ہوں اللہ کے پسندیدہ دین کا اتباع کرنے والے ہوں، اور ہر طرح سے شرک سے پاک ہو کر خالص اللہ کی بندگی و غلامی کے پابند ہوں۔ ان صفات سے عاری اور محض زبان سے ایمان کے مدعی لوگ نہ اس وعدے کے اہل ہیں اور نہ یہ ان سے کیا ہی گیا ہے۔ لہٰذا وہ اس میں حصہ دار ہونے کی توقع نہ رکھیں۔

بعض لوگ خلافت کو محض حکومت و فرمانروائی اور غلبہ و تمکن کے معنی میں لے لیتے ہیں، پھر اس آیت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جس کو بھی دنیا میں یہ چیز حاصل ہے وہ مومن اور صالح اور اللہ کے پسندیدہ دین کا پیرو اور بندگی حق پر عامل اور شرک سے مجتنب ہے اور اس پر مزید ستم یہ ڈھاتے ہیں کہ اپنے اس غلط نتیجے کو ٹھیک بٹھانے کے لیے ایمان، صلاح، دینِ حق، عبادتِ الٰہی اور شرک، ہر چیز کا مفہوم بدل کر وہ کچھ بنا ڈالتے ہیں جو ان کے اس نظریے کے مطابق ہو۔ یہ قرآن کی بدترین معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کی تحریفات سے بھی بازی لے گئی ہے۔ اس نے قرآن کی ایک آیت کو وہ معنی پہنا دیے ہیں جو پورے قرآن کی تعلیم کو مسخ کر ڈالتے ہیں اور اسلام کی کسی ایک چیز کو بھی اس کی جگہ پر باقی نہیں رہنے دیتے۔ خلافت کی اس تعریف کے بعد لامحالہ وہ سب لوگ اس آیت کے مصداق بن جاتے

(۱)۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد سوم، صفحہ نمبر ۴۱۷

ہیں جنھوں نے کبھی دنیا میں غلبہ و تمکن پایا ہو یا آج پائے ہوئے ہیں، خواہ وہ خدا، وحی، رسالت، آخرت پر یقین کے منکر ہوں اور فسق و فجور کی ان تمام آلائشوں میں بری طرح لتھڑے ہوئے ہوں جنھیں قرآن نے کبائر قرار دیا ہے، جیسے سود، زنا، شراب اور جوا۔ اب اگر یہ سب لوگ مومن صالح ہیں اور اسی لیے خلافت کے منصبِ عالی پر سرفراز کیے گئے ہیں تو پھر ایمان کے معنی قوانینِ طبیعی کو ماننے، اور صلاح کے معنی ان قوانین کو کامیابی کے ساتھ استعمال کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ اور اللہ کا پسندیدہ دین اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ علومِ طبیعی میں کمال حاصل کر کے صنعت و حرفت اور تجارت و سیاست میں خوب ترقی کی جائے؟ اور اللہ کی بندگی کا مطلب پھر اس کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے کہ ان قاعدوں اور ضابطوں کی پابندی کی جائے جو انفرادی اور اجتماعی سعی و جہد کی کامیابی کے لیے فطرتاً مفید اور ضروری ہیں۔ اور شرک پھر اس کے سوا اور کس چیز کا نام رہ جاتا ہے کہ ان مفید قواعد و ضوابط کے ساتھ کوئی شخص یا قوم کچھ نقصان دہ طریقے بھی اختیار کر لے؟ مگر کیا کوئی شخص جس نے کھلے دل اور کھلی آنکھوں سے کبھی قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہو، یہ مان سکتا ہے کہ قرآن میں واقعی ایمان اور عمل صالح اور دین حق اور عبادت الٰہی اور توحید اور شرک کے یہی معنی یا تو وہ شخص لے سکتا ہے جس نے کبھی پورا قرآن سمجھ کر نہ پڑھا ہو اور صرف کوئی آیت کہیں سے اور کوئی کہیں سے لے کر اس کو اپنے نظریات و تصورات کے مطابق ڈھال لیا ہو، یا پھر وہ شخص یہ حرکت کر سکتا ہے جو قرآن کو پڑھتے ہوئے ان سب آیات کو اپنے زعم میں سراسر لغو اور غلط قرار دیتا چلا گیا ہو جن میں اللہ تعالیٰ کو واحد رب اور الٰہ، اور اس کی نازل کردہ وحی کو واحد ذریعۂ ہدایت، اور اس کے مبعوث کردہ ہر پیغمبر کو حتمی طور پر واجب الاطاعت رہنما تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور موجودہ دنیوی زندگی کے خاتمے پر ایک دوسری زندگی کے محض مان لینے ہی کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو لوگ اس زندگی میں اپنی جواب دہی کے تخیل سے منکر یا خالی الذہن ہو کر محض اس دنیا کی کامیابیوں کو مقصود سمجھتے ہوئے کام کریں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے۔ قرآن میں ان مضامین کو اس قدر کثرت سے اور ایسے مختلف طریقوں سے اور ایسے صریح و صاف الفاظ میں بار بار دہرایا گیا ہے

کہ ہمارے لیے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کو ایمانداری کے ساتھ پڑھنے والا کوئی شخص کبھی ان غلط فہمیوں میں بھی پڑ سکتا ہے جن میں آیتِ استخلات کے یہ نئے مفسرین مبتلا ہوئے ہیں۔ حالانکہ لفظِ خلافت واستخلاف کے جس معنی پر انہوں نے یہ ساری عمارت کھڑی کی ہے وہ ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے، قرآن کا جاننے والا کوئی شخص اس آیت میں وہ معنی کبھی نہیں لے سکتا۔

قرآن دراصل خلافت اور استخلاف کو تین مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے اور ہر جگہ سیاق وسباق سے پتہ چل جاتا ہے کہ کہاں کس معنی میں یہ لفظ بولا گیا ہے :

اس کے ایک معنی ہیں "خدا کے دیئے ہوئے اختیارات کا حامل ہونا"۔ اس معنی میں پوری اولادِ آدم زمین میں خلیفہ ہے۔

دوسرے معنی ہیں "خدا کے اقتدارِ علیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے امر شرعی (نہ کہ محض امر تکوینی) کے تحت اختیارات خلافت کو استعمال کرنا"۔ اس معنی میں صرف مومنِ صالح ہی خلیفہ قرار پاتا ہے، کیونکہ وہ صحیح طور پر خلافت کا حق ادا کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس کافر وفاسق خلیفہ نہیں بلکہ باغی ہے، کیونکہ وہ مالک کے ملک میں اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو نافرمانی کے طریقے پر استعمال کرتا ہے۔

تیسرے معنی ہیں "ایک دور کی غالب قوم کے بعد دوسری قوم کا اس کی جگہ لینا"۔ پہلے دونوں معنی خلافت بمعنی "نیابت" سے ماخوذ ہیں، اور یہ آخری معنی خلافت بمعنی "جانشینی" سے ماخوذ ہیں۔ اور اس لفظ کے یہ دونوں معنی لغتِ عرب میں معلوم ومعروف ہیں۔

اب جو شخص بھی یہاں اس سیاق وسباق میں آیت استخلاف کو پڑھے گا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ اس جگہ خلافت کا لفظ اس حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اللہ کے امر شرعی کے مطابق (نہ کہ محض قوانینِ فطرت کے مطابق) اس کی نیابت کا ٹھیک حق ادا کرنے والی ہو۔ اسی لئے کفار تو در کنار، اسلام کا دعویٰ کرنے والے منافقوں تک کو اس وعدے میں شریک کرنے سے انکار کیا جارہا ہے۔ اسی لئے فرمایا جارہا ہے؟

کہ اس کے مستحق صرف ایمان اور عملِ صالح کی صفات سے متصف لوگ ہیں۔ اسی لئے قیامِ خلافت کا ثمرہ یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کا پسند کردہ دین، یعنی اسلام، مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گا۔ اور اسی لئے اس انعام کو عطا کرنے کی شرط یہ بتائی جارہی ہے کہ خالص اللہ کی بندگی پر قائم رہو جس میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہونے پائے۔ اس وعدے کو یہاں سے اٹھا کر بین الاقوامی چوراہے پر لے پہنچنا اور امریکہ سے لے کر روس تک جس کی کبریائی کا ڈنکا بھی دنیا میں بج رہا ہو اس کے حضور اسے نذر کر دینا جہالت کی طغیانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سب طاقتیں بھی اگر خلافت کے منصبِ عالی پر سرفراز ہیں تو آخر فرعون اور نمرود ہی نے کیا قصور کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لعنت کا مستحق قرار دیا؟

اس جگہ ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو تو بالواسطہ پہنچتا ہے۔ بلاواسطہ اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھے۔ وعدہ جب کیا گیا تھا اس وقت واقعی مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی اور دین اسلام نے ابھی حجاز کی زمین میں بھی مضبوط جڑ نہیں پکڑی تھی۔ اس کے چند سال بعد یہ حالتِ خوف نہ صرف امن سے بدل گئی بلکہ اسلام عرب سے نکل کر ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصے پر چھا گیا اور اس کی جڑیں اپنی پیدائش کی زمین ہی میں نہیں، کرۂ زمین میں جم گئیں۔ یہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پورا کر دیا۔ اس کے بعد کوئی انصاف پسند آدمی مشکل ہی سے اس امر میں شک کر سکتا ہے کہ ان تینوں حضرات کی خلافت پر خود قرآن کی مہر تصدیق لگی ہوئی ہے اور انکے مومنِ صالح ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ خود دے رہا ہے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو نہج البلاغہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی وہ تقریر پڑھ لے جو انہوں نے حضرت عمرؓ کو ایرانیوں کے مقابلے پر خود جانے کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے کی تھی۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

"اس کام کا فروغ یا ضعف کثرت وقلت پر موقوف نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے فروغ دیا اور اللہ کا لشکر ہے جس کی اس نے تائید ونصرت فرمائی، یہاں تک کہ

یہ ترقی کر کے اس منزل تک پہنچ گیا۔ ہم سے تو اللہ خود فرما چکا ہے وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ مِنکُمْ وَعَمِلُو االصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ............ اللہ اس وعدے کو پورا کر کے رہے گا اور اپنے لشکر کی ضرور مدد کرے گا۔ اسلام میں قیّم کا مقام وہی ہے جو موتیوں کا ہار میں دھاگے کا مقام ہے۔ رشتہ ٹوٹتے ہی موتی بکھر جاتے ہیں اور نظم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور پراگندہ ہو جانے کے بعد پھر جمع ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عرب تعداد میں قلیل ہیں۔ مگر اسلام نے ان کو کثیر اور اجتماع نے ان کو قوی بنادیا ہے۔ آپ یہاں قطب بن کر جمے بیٹھے رہیں اور عرب کی چکی کو اپنے گرد گھماتے رہیں اور یہیں سے بیٹھے بیٹھے جنگ کی آگ بھڑکاتے رہیں۔ ورنہ آپ اگر ایک دفعہ یہاں سے ہٹ گئے تو ہر طرف سے عرب کا نظام ٹوٹنا شروع ہو جائے گا اور نوبت یہ آجائے گی کہ آپ کو سامنے کے دشمنوں کی بہ نسبت پیچھے کے خطرات کی زیادہ فکر لاحق ہو گی۔ اور ادھر ایرانی آپ ہی کے اوپر نظر جمادیں گے کہ یہ عرب کی جڑ ہے، اسے کاٹ دو تو بیڑا پار ہے، اس لیے وہ سارا زور آپ کو ختم کر دینے پر لگادیں گے۔ رہی وہ بات جو آپ نے فرمائی ہے کہ اس وقت اہل عجم بڑی کثیر تعداد میں امنڈ آئے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ہم جو ان سے لڑتے رہے ہیں تو کچھ کثرتِ تعداد کے بل پر نہیں لڑتے رہے ہیں، بلکہ اللہ کی تائید و نصرت ہی نے آج تک ہمیں کامیاب کرایا ہے"۔

دیکھنے والا خود ہی دیکھ سکتا ہے کہ اس تقریر میں جناب امیر کس کو آیت استخلاف کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں۔

اس تشریح کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کی حامل پوری اولادِ آدمؑ زمین میں خلیفہ ہے۔ اولادِ آدمؑ میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ حکمران بننے کیلئے مرد و عورت دونوں کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ پکے سچے مومن ہوں اور اعمالِ صالحات کے پابند ہوں۔

اپنے زمانے کے مشہور مفکر، مؤرخ اور عالم دین جریر طبری کا بھی یہ استدلال تھا کہ مسلمان عورت ملک کے تمام عہدوں پر حاکم، فرمانروا بن سکتی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں،

(۱)"قال طبری یجوز ان تکون الامراہ حاکما علی الاطلاق فی کل شی(ھدایتہ المجتہد مطبوعہ مصر)

امام مالکؒ بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ (۲) عورت تمام امور میں بغیر کسی شرط ورکاوٹ کے حکمران بن سکتی ہے۔

عورت کی حکمرانی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن محمدؒ سے بخاری شریف میں یہ حدیث درج ہے،(۳)

قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاکلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ فالا مام الذی علی الناس راع وھو مسؤ ل عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسؤل عن رعیتہ والمرأۃُ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہٖ وھی مسؤلۃ" ....۔

ترجمہ : تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے معاملے میں جوابدہ ہے۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے معاملے میں جوابدہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔"

راعی کا لفظ عام طور پر نگران، رکھوالے یا حاکم کے لئے استعمال کیا گیا ہے اس حدیث کے حوالے سے مرد اور عورت دونوں کیلئے "نگران" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مردوں اور عورتوں کو نگران مقرر کیا گیا ہے۔ مردوں کو گھر کا نگران اور عورت کو گھر کے اندرونی معاملات کا نگران مقرر کیا گیا ہے۔ جہاں تک عوام کی نگرانی یا عوام پر حکمرانی کا سوال ہے تو اس کا اختیار صرف "حکمران" کو دیا گیا ہے لیکن اس حدیث کی رو سے حکمران کے لئے کسی جنس کی وضاحت نہیں کی گئی اگر حکمران کیلئے جنس کی قید نہیں تو پھر عورت کو حکمران

(۱)۔ عورت بحیثیت حکمران، پروفیسر محمد یاسین شیخ

(۲)۔ ایضاً

(۳)۔ بخاری شریف

بنانے میں یا بننے میں بھی کوئی قباحت یا رکاوٹ نہیں ہے۔ حکمرانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بھی راعی ہیں کیونکہ ان پر رعیت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ بلاشبہ مرد اور عورت دونوں پر اسلام نے چند پابندیاں عائید کی ہیں تاکہ ان کی بے راہ روی سے معاشرہ میں فتنہ اور فساد رونما نہ ہو۔ ان پابندیوں کو کسی کی برتری اور کسی کی کمتری پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

عورت کی حکمرانی کے خلاف صرف ایک حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (۱) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے امور عورت کے حوالے کردے"۔ اس حدیث کو تمام محدثین متفقہ طور پر درست تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کے راویوں کا تعلق بصرہ سے تھا۔ حضرت ابی بکرہؓ نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی تھی کیونکہ اس جنگ میں ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسری طرف حضرت علیؓ تھے۔ حضرت ابی بکرہؓ کا استدلال تھا کہ عورت کی حکمرانی جائز نہیں۔ عورت کی حکمرانی اور سربراہ میں مانع اس حدیث کا تذکرہ صرف اس واقعہ کے حوالے سے ہوا ہے اس لئے اس جنگ میں شرکت یا عدم شرکت کو الگ رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات ضرور ثابت ہوئی ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ایک گروہ کی سربراہی حضرت عائشہؓ نے فرمائی تھی۔ کیا اس بات سے کسی کو انکار ہے کہ ایک محترم خاتون جنگ کے لئے کمربستہ ہوکر لشکر کے ساتھ میدان میں اتریں اور ایک مسلمان لشکر کی قیادت کی؟ یہ خاتون کوئی عام عورت نہ تھیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کی چہیتی اور متعدد حدیثوں کی روایت کرنے والی خاتون حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں۔ سوال یہ ہے کہ جن اصحاب کرامؓ نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کے ساتھ مل کر جنگ لڑی، جان نثاری اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا اور تاریخ ان کے اسمائے گرامی سے بھی واقف ہے کیا انہیں حضرت ابی بکرہؓ کی اس روایت سے اتفاق تھا یا نہیں؟ ان حضرات نے حضرت ابی بکرہؓ کی بیان کردہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا؟

جنگ جمل میں حضرت ائشہؓ نے صحابہ کرامؓ کے ایک لشکر کی قیادت کی اور

---

(۱)۔ بخاری شریف، کتاب الفتن، باب ۱۱۲۳، جلد سوم، صفحہ نمبر ۷۸۲

ان صحابہ کرامؓ کا تعلق مردوں سے تھا جن میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اصحاب بھی شامل تھے (۱)۔ حضرت عائشہؓ کی شخصیت انتہائی معتبر اور مقتدر مانی جاتی ہے کیونکہ بعد کے زمانے کے مفسرین اور محدثین، حضور ﷺ کی زندگی اور خواتین کے معاملات کے بارے میں صحابہ اور صحابیات آپ ہی کے قول کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے تک زندہ رہیں اور عام معاملات میں مسلمانوں کی راہنمائی کرتی رہیں اور آپ کی بات کو حضور ﷺ سے نسبت کی وجہ سے زیادہ مستند اور قابلِ عمل سمجھا جاتا تھا۔

قانون

عورت کی حکمرانی کے بارے میں پاکستانی آئین میں کوئی بندش یا رکاوٹ نہیں پاکستانی عورت حقِ رائے دہی کا استعمال کر سکتی ہے اور کسی بھی سیاسی عہدے کی امیدوار ہو سکتی ہے اور کوئی بھی عہدہ حاصل کر سکتی ہے۔ چنانچہ محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی وزیر اعظم رہ چکی ہیں اس طرح بنگلہ دیش کی یکے بعد دیگر خالدہ ضیاء، حسینہ واجد اور ترکی کی تانسو چلر بھی اپنے ملک کی وزیر اعظم رہ چکی ہیں۔

پاکستانی عورت کی حکمرانی مختلف مکتبۂ فکر کی نظر میں

عورت کی حکمرانی کا مسئلہ دنیا کے لئے کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے ہر زمانے میں عورت نے اپنے اپنے ملکوں میں مختلف عہدوں پر فائیز رہ کر حکمرانی کے فرائض سرانجام دیئے۔ گزشتہ چند صدیوں کے حکمرانوں کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سینکڑوں خواتین کے نام بطور حکمران یا نگران نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ عورتوں کی حکمرانی کے بارے میں پہلا فتویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے صادر فرمایا تھا (۲)۔ اس فتاویٰ کا مقدمہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع مرحوم نے تحریر فرمایا تھا لیکن آپ نے اس فتویٰ کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

---

(۱)۔ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)۔ مولانا اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ، ۱۷ ۱۳ھ، دار العلوم کراچی

اندلس کے ایک عالم ابن حزم نے ابو حنیفہ کے اس نقطہ نظر کی حمایت کی ہے کہ (۱) عورت اسلامی ریاست کی سربراہ بن سکتی ہے ان کے خیال میں یہ حکمرانی مکمل اور خود مختار کی حیثیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ عورت خلافت کے علاوہ حکومت کے ہر عہدہ کی سربراہ یا حکمران ہو سکتی ہے چونکہ اب خلافت کا دور نہیں رہا اس لئے اس دور میں کوئی بھی مسلمان عورت اپنے ملک کی سربراہ بن سکتی ہے اور یہ خلاف اسلام نہیں ہے۔

پروفیسر محمد یاسین شیخ نے مولانا کوثر نیازی مرحوم کے ایک مقالہ (۲) "کیا عورت صدر مملکت بن سکتی ہے" کے حوالے سے لکھا ہے کہ عورت کا صدر مملکت بننا مدار کفر و ایمان نہیں ہے۔ ان کے خیال میں عورت کی سیاسی سربراہی تسلیم کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے علم و تقویٰ کے بلند معیار میں کمی واقع ہوتی ہے۔ انہوں نے مختلف حوالے دیتے ہوئے علامہ سلیمان ندوی کی کتاب سیرۃ عائشہؓ (طبع سوم۔ ص۔ ۱۱۳) امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کے بیان (مطبوعہ ہندوستانی اخبارات ۱۹۵۲ء)، مولانا دائم الدین کے استفتاء پر مفتی اعظم دیوبند مولانا سید مہدی حسن کے فتوے اور مولانا عبد الماجد دریابادی کے بیان (مطبوعہ اخبار صدق جدید مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء) سے تائید اور ممنوع چیزوں کو مباح قرار دینے کے لئے امام شاطبیؒ اور مختلف فقہاء کے اقوال بھی درج کئے ہیں۔ انہوں نے بطور نمونہ شاہ خراسان فخر الدین دیلمی (متوفی ۳۸۷ھ) کی بیوہ سیدہ کا تذکرہ کیا ہے جس کی عراق و عجم میں مدتوں حکومت رہی اور محمود غزنوی بھی اس کی طاقت سے خائف تھے۔ اس کے علاوہ حسین بن اویس ترکمان کی صاحبزادی (بغداد کی حکمران) ترکیہ کے سلطان چہارم مراد کی والدہ ماہ پیکر اور ہندوستان کے بہمنی خاندان کے ہمایوں کی بیوہ مخدومہ جہاں کی حکمرانی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کی یہ تائید افادات آزاد (مرتبہ۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری۔ ص۔ ۵۲۔ ۵۱) اور

(۱)۔ ابن حزم، المحلہ، مطبوعہ ۱۳۵۲ھ، قاہرہ

(عورت بحیثیت حکمران از پروفیسر محمد یاسین شیخ)

(۲)۔ پروفیسر محمد یاسین شیخ، عورت بحیثیت حکمران

مولانا آزاد ایک سیاسی ڈائری (ص۔ ۴۸۳۔ ۴۸۲) پر بھی موجود ہے۔

عورت کی حکمرانی سے متعلق علماء کرام کی ایک بڑی تعداد کے فتوے پاکستان میں ۱۹۶۴ء میں بھی منظر عام پر آئے۔ ان فتوؤں میں پاکستان کے صدارتی نظام حکومت میں ایک عورت کی سربراہی کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ ان علمائے کرام میں صف اوّل کے مذہبی علماء اور قائدین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع بھی شامل تھے۔ اب یہ دونوں بزرگ اس دنیا میں موجود نہیں اس لئے بعض افراد ان کے فتاویٰ اور الفاظ کو مختلف لبادوں میں چھپا رہے ہیں۔ جب وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت دو ہی صدارتی امیدوار تھے جن میں ایوب مرحوم زیادہ برے تھے اس لئے ان سے کم برائی کی حمایت کی گئی تھی۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس وقت دو نہیں چار امیدوار تھے۔ برائی کی یہ علت اگر ایوب سے وابستہ تھی تو ان دونوں سے تو کم از کم وابستہ نہیں تھی۔ اسی دور میں بالکل آخری مراحل پر مولانا مفتی محمود نے بھی خاتون کے بعض مشیروں کی یقین دہانی پر جو قرآن و سنت کے نفاذ کے اقرار سے متعلق تھیں اس خاتون کی حمایت کا فیصلہ فرمایا۔ مشائخ عظام میں سے پیر صاحب مانکی شریف بہت نمایاں تھے جنہوں نے عورت کی سربراہی کی تائید کی۔ اہل سنت والجماعت کے مولانا عبدالستار نیازی اور اہل تشیع سے مولانا سید دہلوی اس خاتون کی حمایت میں صرف زبانی ہی نہیں عملاً بھی شریک رہے۔ کسی مسلمان خاتون کا عہدہ صدارت کے لئے اہل قرار پانا پاکستان کے جمہوری دور کی ایک مثال تھی جسے جمہوری اور مشاورتی حکومتوں میں امارت اور بادشاہت سے ملتی جلتی سربراہی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں صدر مملکت جو واحد سربراہ ہوتا ہے اراکین مشورہ کا پابند ہوتا ہے اس لئے خاتون کی سربراہی کے لئے جواز حاصل ہو گیا۔ گویا جمہوری حکومت خواہ صدارتی ہو یا پارلیمانی مملکت کا سربراہ ایک ہو یا دو سربراہ بیک وقت ہوں اس پر رکن مشورہ کی حیثیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ایسی حکومت کی سربراہی کے لئے عورت کی حکمرانی کے بارے میں تقریباً تمام ہی مکتبہ فکر کے علماء کی آراء اور فتاویٰ کا حوالہ خود پاکستان کی مختصر سی تاریخ میں واضح طور پر ملتا ہے۔ ایک ایسے نظام حکومت میں جہاں سربراہ مملکت بھی رکن مشورہ ہو اور وہ کسی اور رکن مشورہ کا بطور وزیر اعظم تقرر کرے

تو حکمرانی پر تام اور عام کی اصطلاحات یا خلافت خاصہ اور خلافت عامہ یا امامت کبریٰ اور امامت عامہ کی صلاحیتوں اور اوصاف کا اطلاق کرنا دراصل ان تمام باتوں سے لاعلمی کی ایک بین دلیل ہے۔

ہمارے خیال میں پاکستان کی عورت وزیراعظم جو درحقیقت رکن مشورہ کی حیثیت رکھتی ہیں (اس لئے کہ ملک کے سربراہ تو صدر مملکت ہیں) اور جن کا تقرر ارکان مشاورت کی نمائندگی کرنے والے سربراہ نے کیا ہے حکمرانی کی عام اور تام دونوں اقسام میں سے کسی ایک کے بھی مطابق نہیں ہیں۔ لیکن کئی علمائے کرام نے انہیں جمہوری حکومت کی سربراہ گردانتے ہوئے ان کی حکومت کے شرعاً جائز ہونے کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ ان میں سے بعض کے خیال میں وہ رکن مشورہ ہیں اور ان کا اختیار حکومت ان ہی پر موقوف نہیں بلکہ وہ دوسروں کے اختیارات کی نمائندگی کررہی ہیں۔ کئی علماء کے خیال میں ان کی حکمرانی اضطراری اور استثنائی کیفیت میں جائز ہے۔ ان کی حکومت لبدی حرمت کے زمرہ میں نہیں آتی اس لئے کہ جمہور امت نے انہیں اس امر کے لئے اہل سمجھنے کا عندیہ اپنے ووٹوں کے ذریعہ ظاہر کیا ہے اور اگر اس رائے کا احترام نہ کیا جائے تو ملک میں افراتفری اور بے یقینی کی وہ کیفیت سر اٹھائے گی جس سے ملک عزیز کی سالمیت کو بھی خطرات لاحق ہو جائیں گے یہ لوگ پاکستان کی موجودہ صورت حال خصوصاً ماضی کے جبر اور استبدادی نظام کے ساتھ ساتھ پاکستانی سرحدوں پر روسی فوجوں کے انبوہ، ہندوستان کی فوجی حکمت عملی سیاچن گلیشئر پر قبضہ، پاکستان میں کئی لاکھ افغان پناہ گزین کی موجودگی اور بڑے تواتر سے ملک میں ہونے والے تخریب کاری کے واقعات اور نسلی فسادات کے باعث اس امر کے متقاضی ہیں کہ پاکستان کے عوام کو اپنی مرضی کی حکومت منتخب کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ایک بڑا طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو اس اجتہادی فیصلے کی تائید کرتا ہے کہ حکمران سے جب تک کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو صریحاً کفر ہو اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اسلام کو سیاسی مفادات کے لئے استعمال نہیں کرتے بلکہ اسلام کو اس کے حقیقی مفہوم اور تعلیمات کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ البتہ ایک مختصر سا طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنے سیاسی مخالفین کو اسلام

دشمن ثابت کرنے کے لئے اس سے مختلف آراء کا اظہار کر رہا ہے۔ شاید مولانا مودودی نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا کہ انہیں اسلام صرف اسی وقت یاد آتا ہے جب وہ اسے اپنے مفاد کے مطابق پاتے ہیں۔

پاکستانی معاشرہ میں عورت کی حکمرانی کی مخالفت

پاکستان میں عورت کی حکمرانی کے سلسلے میں مختلف مکتبۂ فکر ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے فتوے صادر کرتے ہیں۔ مثلاً عورت کی حکمرانی کے مخالفین کہتے ہیں اسلام میں عورت کی حکمرانی کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں یا خلفائے راشدین کے زمانے میں کسی عورت کو گورنر یا سفیر نہیں بنایا گیا۔ قرآن میں مرد کے مقابلے میں عورت کی نصف گواہی اور ورثہ کی تقسیم میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا، اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو ہرگز حکمران نہ بننے دیا جائے اس کے علاوہ متعدد دلیلیں قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کی جاتی ہیں لیکن یہ فتوے کبھی بھی تمام پاکستانی علماء نے مل کر متفقہ طور پر صادر نہیں کئے۔ ایسے علماء کرام کو سب جانتے ہیں جو عورت (بے نظیر بھٹو) کی حکمرانی کے دوران اس کے دست راست رہے اور ایسے علمائے کرام کو بھی جو کفر کے فتوے صادر فرماتے رہے۔

اس وقت پاکستانی آئین ۱۹۷۳ء میں پاکستانی عورت کے سیاست میں حصہ لینے پر تو کوئی پابندی نہیں مگر عورتوں کی مخصوص نشستیں قومی اسمبلی سے ختم کر دی گئی ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے علاوہ باون سال کے دوران کسی پاکستانی عورت کو پاکستان کا وزیر اعظم نہیں بننے دیا گیا۔ عورتیں جب بھی الیکشن میں حصہ لینے کیلئے اپنا نام پیش کرتی ہیں تو ایک مخصوص ٹولہ انکی مخالفت شروع کر دیتا ہے جسکی وجہ سے عورتیں اسمبلی تک نہیں پہنچ پاتیں۔

عورت اور شہادت

کسی متنازعہ معاملہ کو ثابت کرنے والے ذرائع ثبوت میں سے ایک ذریعہ ثبوت شہادت ہے۔ یہ ہماری عدالتی زندگی میں بہت معروف اور عام فہم امر اطلاع ہے۔ لغت کی رو سے شہادت کے معنی خبر قطعی کے ہیں۔

قرآن حکیم میں عورت کو گواہ بنانے کے بارے میں آٹھ مقامات پر تو خصوصاً اور متعدد مقامات پر عموماً عورت کی گواہی کو معتبر بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے،(۱)

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ط وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ص وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ج وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ط فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ط وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ط وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ط ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ط وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ط وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۲۸۲

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۲۸۲

لکھے اور املاوہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا)، اور جو کوئی نادان یا ضعیف ہو، یا املانہ کراسکتا ہو، تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دوآدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے، تو دوسری اسے یاد دلادے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں، جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے، تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، میعاد کے تعین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور تمہارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو، اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں، مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کرلیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے۔ ایسا کرو گے، تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اللہ کے غضب سے بچو۔ وہ تم کو صحیح طریقِ عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے"۔

مندرجہ بالا آیت میں واضح طور پر عورت کی شہادت کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ اس آیت کریم میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کاروباری معاملات، جن کا تعلق عموماً مردوں سے ہوتا ہے، میں اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو اور اگر کسی وجہ سے دو مرد موجود نہ ہوں یا دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کرلو۔ اگرچہ ایک عورت ہی ایک مرد کے ساتھ گواہ ہوگی لیکن اسکی مدد کیلئے دوسری بھی شامل ہوسکتی ہے۔ اس آیت میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ عورت گواہی نہیں دے سکتی یا پھر اسکی گواہی نصف تصور کی جائیگی۔ جو حضرات اس آیت کو سامنے رکھ کر عورت کی شہادت کو مرد کے مقابلے میں نصف تصور کرتے ہیں تو یہ انکی اپنی عقل کی تخلیق ہے وگرنہ قرآن نے عورت کو مرد کا نصف کہیں بھی نہیں بتایا اور نہ ہی اسکی گواہی کو نصف مرد کے برابر بیان کیا ہے۔ جب خدا نے عورت کی شہادت کو نصف مرد کے برابر نہیں بتلایا تو ہم کیوں اپنی طرف سے اسے نصف شہادت کا درجہ دیتے ہیں، علاوہ ازیں کاروباری معاملات میں جو دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ گواہ

ہوں گی کیا وہ کسی پردہ کے پیچھے کھڑی ہو کر گواہی دیں گی یا اس مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر گواہی دیں گی۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ پردہ کے پیچھے ہوں گی تو انکی شناخت کون کرے گا؟ کیا ان کی شناخت کیلئے انکے والد، ان کے بھائی، ان کے بیٹے یا شوہر کو بھی عدالت میں بلایا جائے گا؟ یا پھر قرآن کا منشاء یہ ہے کہ عورت اور مرد دنیاوی معاملات میں آپس میں برابر برابر ہیں۔ یہاں ایک بات اور بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب دو پارٹیاں مالی معاملات کو ضبط تحریر میں لارہی ہوں تو کیا گواہی کیلئے ان کے پاس دو مرد دستیاب نہیں ہو سکتے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ عورت کی گواہی کیلئے قانون بنا دیا جائے تاکہ آنے والے زمانے میں اس پر پریشانی نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورت گواہ بن سکتی ہے یا نہیں جواب آسان ہے کہ ہاں۔ قرآن کے حکم کے مطابق عورت گواہ بن سکتی ہے۔

مالی معاملات جن میں لکھنے پڑھنے کی ضروریات ہوتی ہیں کے علاوہ دوسرے معاملات میں عورت کی گواہی کو مردوں کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے، (۱)

”فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ط ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۲

توجب وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لو یا ان سے دستور کے مطابق الگ ہو جاؤ اور اپنے میں سے دو معتبر انسانوں کو گواہ بنالو اور اللہ تعالیٰ کے لئے شہادت قائم کرو“۔

اس آیت ربانی میں گواہی کیلئے مرد اور عورت دونوں کو برابر کا درجہ دیکر دونوں کو مکمل گواہ بتایا گیا ہے۔ اس معاملہ میں دو عورتیں یا دو مرد گواہ ہو سکتے ہیں۔ زنا کے معاملات میں قرآن مرد اور عورت دونوں کیلئے چار چار شہادتیں طلب کرتا ہے۔ اگر عورت کی گواہی نصف مرد کے برابر ہوتی تو یہاں پر چار عورتوں کے بجائے آٹھ عورتوں کو گواہ بنانے کیلئے کہا

(۱) القرآن ... الطلاق آیت نمبر ۲

جاتا۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ زنا کے معاملات میں مرد اور عورت کی گواہی کے سلسلے میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن کا(۱) ارشاد ہے،

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ط وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۶

اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا۔ جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز رکھنا چاہیئے اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر (یعنی بقدر خدمت) کچھ لے لے اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو اس پر گواہ بنالیا کرو اور اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے"۔

اس آیت میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ صرف مرد گواہ ہو سکتے ہیں بلکہ مرد اور عورت دونوں برابری کی حیثیت سے گواہی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے مرد اگر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے مارنے کا حکم سنایا گیا ہے اس معاملہ میں بھی گواہی کیلئے مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ کوئی سے بھی چار گواہ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں میں سے ہوں، پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ چار مرد یا آٹھ عورتیں گواہ پیش کرو بلکہ حکم یہ ہے کہ چار گواہ پیش کرو۔

مرض الموت یا سفر کے دوران وصیت کے لئے گواہی ضروری ہے۔ وصیت کی گواہی کیلئے دو افراد کی گواہی کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ ان دو افراد میں مرد اور عورت کی کوئی قید نہیں۔ صرف دو عورتیں یا دو مرد بھی گواہ ہو سکتے ہیں یا پھر ایک مرد اور ایک عورت بھی گواہ ہو سکتے ہیں اور اس گواہی کو قرآن نے معتبر شہادت سے تعبیر کیا ہے۔

(۱)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۶

قرآن میں اللہ کا حکم اس طرح ہے،(۱)

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى لا وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ لا اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ۱۰۶

مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں) میں سے دو مرد عادل (یعنی صاحبِ اعتبار) گواہ ہوں یا اگر (مسلمان نہ ملیں اور) تم سفر کر رہے ہو اور (اس وقت) تم پر موت کی مصیبت واقع ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دو (شخصوں کو) گواہ (کر لو) اگر تم کو ان گواہوں کی نسبت کچھ شک ہو تو ان کو (عصر کی) نماز کے بعد کھڑا کرو اور دونوں خدا کی قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

قرآن حکیم میں اکثر خطاب مردوں سے ہے لیکن اس سے مراد مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔ تمام فرائض کی ادائیگی کے احکامات مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہیں تاہم خاص خاص معاملات میں عورتوں کے بارے میں علیٰحدہ سے احکامات صادر کئے گئے ہیں۔ عورتوں سے متعلق امور میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے مثلاً بچے کی ولادت میں ایک دائی کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح کئی امراض اور مباشرت کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں فنی شہادت میں ایک عورت کے ذریعے ہی ممکن ہے جو قابل قبول ہوتی ہے۔

اسلامی قانون شہادت میں در حقیقت مجرد شہادت کا وجود نہیں ہے بلکہ اس کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو کے احکام الگ الگ ہیں۔ تمام قانون شہادت کا ایک ایک جزو دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ کسی ایک حصے کے بارے میں مطالعہ کر کے تمام نظام کے متعلق رائے قائم کرنا نہ صرف درست نہیں ہے بلکہ اس سے نکالا گیا غلط نتیجہ گمراہی کی طرف لے جاتا

(۱)۔ القرآن، سورہ المائدہ، آیت نمبر ۱۰۶

ہے اس لئے ضروری ہے کہ گواہی کے تمام نظام کا مطالعہ کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جائے۔

عصر حاضر میں عورت کی گواہی کو بوجوہ ایک پیچیدہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ قرآن حکیم کی ایک آیت پر کھڑا کیا گیا کہ "اپنے معاملات میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا کرو" دوسری اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا گیا اور عورت کی شخصیت ہی آدھی قرار دی گئی۔ اتفاق سے بعض میتوں کے ترکے میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں بوجوہ نصف ہوتا ہے۔ یہ دونوں نکات جمع کر کے ایک مفروضہ قائم کیا گیا کہ عورت کے حقوق اسلام میں مردوں سے مقابلے میں کم ہیں۔ پھر اس مفروضے کو مختلف ذرائع سے عام کیا گیا۔ اور آخر میں مطالبہ کیا گیا کہ اس بارے میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔

یہ سب کچھ دراصل اسلامی تعلیمات کو بطور کل نہ لینے کا نتیجہ ہے اسلام کے کسی ایک جزو کو کل سے جدا کر کے اور اس کے سیاق و سباق سے ہٹا کر لیں گے اور کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیں گے تو الجھن پیدا ہوگی۔ شراب کی حرمت ہی کو لیجئے یہ تین مراحل میں مکمل ہوئی، اب کوئی شخص ابتدائی آیت کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرے کہ شراب میں نقصان تو زیادہ ہے لیکن چونکہ نفع کا ذکر بھی ہے اور حرمت بھی نہیں ہے اس لئے اس کے استعمال میں کچھ زیادہ مضائقہ نہیں ہے یا اگلی آیت کو لیا جائے تو اور بھی آسانی نظر آتی ہے۔ کہ یوں تو شراب پی جاسکتی ہے مگر نماز ادا کرتے وقت ممنوع ہے۔ مگر کیا یہ سب کچھ درست ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ جو شخص بھی ان احکام کو جدا جدا پڑھے گا اس کی الجھن بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر وہ سمجھنے کی غرض سے ایسا کرتا ہے تو شاید اسے کوئی راہ دکھائی دے لیکن اس نے پہلے سے کوئی مفروضہ قائم کر کے اسلامی احکام کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی گمراہی بڑھتی چلی جائے گی۔ "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا" اسی قرآن سے بہت سوں کو گمراہی حاصل ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے بہت سے ہدایت پاتے ہیں۔

یہی کچھ عورت کی گواہی کے معاملے میں ہوا۔ لیکن تمام تعلیمات اسلامی کا بطور کل مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو عورت کی گواہی آدھی ہے نہ اس کی شخصیت

آدھی ہے اور نہ اسلامی احکام میں عورت کی گواہی کبھی کوئی مسئلہ رہا ہے۔ بلکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ اصحاب جب بھی اس نوع کے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر جدید معاشرت ہوتی ہے جس پر وہ اسلامی احکام چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بسا اوقات وہ رائج الوقت اصطلاحات کے مطابق ایک شے کو انسانی حقوق میں شمار کرتے ہیں جبکہ وہی شے اسلامی تعلیمات میں حق کی بجائے طوق ہوتا ہے جسے گلے میں ڈالنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا، گواہی بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اسلامی معاشرت میں عدل وانصاف کی بلاشبہ بڑی اہمیت ہے اور حق دار کی دادرسی کے لئے اسلام کے سیاسی نظام میں کئی ادارے کام کرتے ہیں لیکن اسلامی معاشرت میں یہ بات قطعاً مستحسن نہیں ہے کہ اس کی عدالتیں مقدمات سے معمور ہوں۔ لوگ مفید کام کرنے کے بجائے عدالتوں کے چکر لگاتے پھریں۔ بلکہ ریاست بحیثیت کل وہ حالات پیدا کرتی ہے کہ حدود کو پامال کرنا ہی بے حد دشوار ہو جائے مثلاً شراب نوشی کے مرتکب پر حد نافذ ہوتی ہے یہ آخری چارہ کار ہے۔ اس سے قبل شراب کی تیاری، نقل وحمل، تجارت، لین دین، سب کچھ ممنوع قرار دیا۔ اس کے بعد بھی کوئی شخص شراب پی لے تو عدالتی عمل میں ایسی ایسی گنجائش رکھی گئی ہیں کہ ملزم پر حد نافذ نہ ہو۔ عورت اور مرد کے ناجائز تعلق پر مبنی بدکاری ہی کو لیجئے اس سے قبل بہت سے مراحل ہوتے ہیں جن کا اسلامی معاشرت میں مکمل سدباب کر دیا جاتا ہے۔ محرم نامحرم کی تفریق، آزادانہ اختلاط کی بیخ کنی، پردے کے احکام، عورت پر معاش کی ذمہ داری نہ ڈالنا تاکہ پردے کا سوال بھی بعد میں اٹھے، نوعمری میں بروقت شادی کرادینے کے لئے والدین کو ترغیب اور عائلی نظام کا ہر ممکن تحفظ۔ یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان تمام کڑے مراحل سے گزر کر کہیں حرام کاری ہو جائے تو بھی قرآنی تعلیمات کے مطابق علانیہ اور پوشیدہ فحاشی کے قریب بھی نہ جانے کی تلقین موجود ہے۔ گویا پھرا اہتمام کر دیا گیا ہے اور قذف کی سزا وضع کی گئی، تمام معاملات دو عادل گواہی سے ثابت ہوتے ہیں لیکن یہاں اس فعل بد کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بعض جدید تعلیم یافتہ اصحاب گواہی کو عورت کے حق سے منسوب کرتے ہیں اور حدود میں گواہی سے عورت کے استثناء کو اس کی شخصیت سے جوڑ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں عورت کے حقوق مردوں سے کم ہیں۔ ان کی یہ بظاہر اصولی اور علمی گفتگو بظاہر بڑے مضبوط دلائل سے مزین ہوتی ہے حالانکہ انہی علمی اور اصولی نکات کی تطبیق عمل کے میدان میں کی جائے تو مسلم معاشرے کے شاید ایک فی لاکھ افراد بھی اپنی خواتین کو بداخلاقی کے مقدمات میں گواہی دینے کے لئے عدالتوں اور پولیس تھانوں کے چکر نہ لگوائیں اور خواتین بھی اس کے لئے تیار نہ ہوں۔ گویا ایک ہی معاملہ میں لوگوں کے اصولی اور عملی رویے بالکل مختلف ہیں۔

حدود اور قصاص کے معاملات میں گواہی کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ یہاں دو مردوں کی گواہی کافی ہے جو دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں سے گواہی مکمل ہو جاتی ہے۔ یعنی ان میں عورت کی گواہی مقبول ہے لیکن اسلامی معاشرے میں عورت کی تکوین میں حیا اور شرم اولین عناصر ہیں جن کے باعث مسلمان عورتیں مردوں کا سامنا کرتے وقت جھجک محسوس کرتی ہیں اس کا اثر مقدمے کی کارروائی پر بھی پڑتا ہے اس لئے اسلام عورت کو ایک سہولت مہیا کرتا ہے کہ کسی معاملہ میں گواہ بناتے وقت اسے ایک معاون عورت بھی فراہم کرتا ہے تاکہ دوران مقدمہ ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ اس دوسری عورت کی گنجائش بھی بھول کی صورت میں ہے ورنہ فی الاصل ایک ہی عورت کی گواہی کافی ہے۔ اس کے برعکس دنیا کے دوسرے تمام نظام عورت کو اس طرح کی کوئی سہولت فراہم نہیں کرتے۔ وہ عورت کو بس عدالت میں لاکھڑا کرتے ہیں پھر سوال جواب میں کوئی دوسرا نہیں بول سکتا، جرح کے دوران میں مخالف وکیل کے تند و تیز سوالات کا وہ کیسے سامنا کرے؟ قانون اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اسلام نے عورت کو یہ ایک بہت بڑی سہولت فراہم کی ہے جس کو بعض لوگ عورت کے "بنیادی حقوق" سے متصادم سمجھتے ہیں۔ اپنے دائیں بائیں دیکھ لیجئے عام گھریلو عورتیں دوسروں کے گھروں میں جاتے وقت اپنے ساتھ کسی دوسری عورت کو لازماً لے کر جاتی ہیں۔ یہی حالت شارع نے گواہی میں مدنظر رکھی۔

زندگی کا ایک دائرہ ایسا بھی ہے جس میں بالعموم مردوں کی گواہی کا سرے سے امکان ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کی گواہی کا سوال بھی بے معنی ہے۔ (یاد رہے کہ گواہی کے بارے میں ساری بحث اسلامی معاشرت کے حوالے سے ہو رہی ہے نہ کہ جدید تمدن کے ضمن میں۔ اس لئے تمام احکام اسی تناظر میں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں) کسی عورت کے حاملہ ہونے نہ ہونے کی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔ وضع حمل کے وقت بچہ زندہ پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی مر گیا یا پیدا ہی مردہ ہوا تھا یہ بھی عورت کی ایک گواہی کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے۔ عورتوں کے جسمانی پوشیدہ عیوب کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی مرتبہ محض ایک عورت کی اس گواہی پر کہ اس نے زوجین کو اپنا دودھ پلایا، زوجین میں تفریق کرا دی۔

گواہی کے مسئلہ کو "بنیادی انسانی حقوق" یا عورت کی شخصیت سے وابستہ کرنے سے پہلے مکمل اسلامی معاشرے کا تصور بے حد ضروری ہے، اس کے بغیر محض چند احکام پڑھ کر جدید تمدن پر ان کو منطبق کرنا سوائے الجھن پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر تمدن کو بطور کل لینے ہی سے اس کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔ عورت کی گواہی کے بارے میں اگر چند استثنائی احکام وارد ہوئے ہیں تو بالکل وہی صورت حال ایک دوسرے دائرے میں مرد کے بارے میں بھی موجود ہے۔ جہاں صرف عورت کی گواہی پر فیصلہ ہوتا ہے اور مرد کی گواہی کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں۔ اس لئے اصل مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی نظام شہادت کی روح کا تمام جزئیات کے ساتھ مطالعہ کر کے کوئی نتیجہ نکالا جائے نہ کہ جدید دنیا کے بے مقصد مباحث کو اسلام کے قانون شہادت سے منسلک کیا جائے۔

یہ صورت صرف اسلام ہی کے ساتھ نہیں دنیا کے کسی بھی نظام کو لے لیجئے اس کے جملہ اعضاء ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں ایک عضو کو الگ کر کے نتیجہ نکالنے سے سارے نظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

قانون

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق (۱) پاکستان کے تمام شہری قانون کی نگاہ میں برابر ہیں اور ان کے مابین نسل، رنگ اور مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۵ کے مطابق جنسی امتیاز بھی ختم کر دیا گیا ہے اور عورتوں و مردوں کو بحیثیت شہری یکساں درجہ دیا گیا ہے بہر حال یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس دفعہ کا اطلاق ایسے اقدامات پر نہیں ہوگا جو عورتوں یا بچوں کی حفاظت کے لیے اٹھائے جائیں۔ قانونی شہادت کا حکمنامہ مجریہ ۱۹۸۴ء (۲) قانون کی نگاہ میں عورتوں کی قانونی حیثیت اور شہادتوں کی تعداد و اہلیت پر پابندیاں عائد کرتا ہے چنانچہ تجارتی لین دین میں ایک یا ایک سے زائد عورتیں نہ تو کسی معاہدے کی شاہد ہو سکتی ہیں، نہ ہی وہ کسی مرد کی شہادت کو حاضر کیئے بغیر کسی معاہدے کا ثبوت مہیا کر سکتی ہیں۔

پاکستانی معاشرہ اور عورت کی گواہی

یہ آئینی مسئلہ ابھی حل طلب ہے کہ مارشل لاء کے قوانین و احکامات کی عدالتی جانچ پڑتال ممکن ہے کہ نہیں۔ تاہم یہ امر عیاں ہے کہ اگر تمام شہریوں کو مساوات قانون کی ضمانت دینے والی دستور کی دفعہ ۲۵ اور قومی زندگی کے تمام حلقوں میں عورتوں کی بھرپور شرکت کی ضمانت دینے والی دفعہ ۳۴ کا ذرہ بھر بھی کوئی مفہوم ہے تو ان دستوری ضمانتوں کی واضح خلاف ورزی کرنے والے حکم نامۂ شہادت کی امتیازی شقوں کی منسوخی ضروری ہو جاتی ہے۔

خواتین وکلاء اور خواتین انجمنوں نے حکم نامۂ شہادت کے تعارف کے خلاف بھرپور احتجاج کیا بلکہ آئینی ماہرینِ وکالت، ایک سبکدوش جج اور دوسرے قانون دانوں نے بھی اس قانون کے اثرات پر کڑی تنقید کی۔ ایک نقاد کا کہنا ہے کہ ''کوئی عورت بڑی اچھی یاد

(۱)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء

(۲)۔ قانونی شہادت کا حکمنامہ مجریہ ۱۹۸۴ء

داشت کی مالک ہو سکتی ہے۔ وہ شہادت دینے کے لئے بیشتر مردوں سے زیادہ اہل ہو سکتی ہے تاہم پھر بھی اسے اس لئے نااہل قرار دیا جائے گا کہ وہ عورت ہے، یہ نئی قانونی جدت طرازیاں نہ صرف عقل سلیم اور معقولیت کی کسوٹیوں سے متضاد ہیں بلکہ آئینی اعتبار سے بھی ناقص ہیں"۔

وفاقی شرعی عدالت میں عورت کی گواہی کا ایک مقدمہ : ۱۹۸۳ء میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے ایک درخواست دائر کی گئی جس میں عورتوں کی بحیثیت جج اور مجسٹریٹ تقرریوں کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس درخواست میں جو دلائل دیئے گئے تھے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں :

1۔ خاتون جج پردہ نہیں کرتیں اور یہ فعل غیر اسلامی ہے۔

2۔ رسول مبارکؐ کے دور میں کسی عورت کو اس عہدہ پر مقرر نہیں کیا گیا تھا۔

3۔ اسلامی قوانین کے مطابق "عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی ہے، اور وراثت میں اس کا حق اپنے بھائی کی نسبت آدھا ہے اور چنانچہ صرف دو عورتوں کا فیصلہ ہی مرد کے فیصلے کے مساوی ہو سکتا ہے"۔

خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اس درخواست کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے خارج کر دیا اور یہ فیصلہ دیا کہ قرآن کے مطابق مرد اور عورت مساوی ہیں، چنانچہ وہ خاتون ججوں کی تقرری پر کسی قسم کی پابندی یا شرط کو بے جواز سمجھتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کی گواہی کی اجازت نہیں ہے، عدالت نے کہا :

"اس موقف کی حیثیت ایک فقہی رائے سے زیادہ کچھ نہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت بطور گواہ پیش نہیں ہو سکتی۔ یہ رائے قرآن اور حدیث پر قائم نہیں۔ یہ رسول مبارکؐ کے کسی ایسے فیصلے پر بھی قائم نہیں جس میں انہوں نے ایسے معاملات میں عورتوں کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو"۔

عورت بحیثیت جج

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،(۱)

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ

اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"

یہ خطاب یہود کے رؤساء اور علماءِ سُوء سے ہے جو تورات کے احکام کے منکر ہورہے تھے۔ ساتھ ہی اس پاداش کی بھی یاد دلاتی جارہی ہے "اور جو کوئی (خواہ مرد ہو یا عورت) اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا تو وہ کافروں میں شمار ہوگا۔ فیصلہ وہی کرتا ہے جس کے پاس دو فریق کوئی تنازعہ لیکر آئیں اور اسے اپنا جج یا قاضی مانیں۔

قرآن میں دوسری جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے،(۲)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْفَقِیْرًافَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُواالْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓااَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَ تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کیلئے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان لو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"۔

اس آیت کریمہ میں "اے ایمان والو" سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

---

(۱)۔ القرآن، سورہ المائدہ، آیت نمبر ۴۴

(۲)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۱۳۵

ہیں اور یہ حکم کہ "انصاف پر قائم رہو اور خدا کیلئے سچی گواہی دو" مرد اور عورت دونوں کیلئے یکساں ہے اور یہ بھی حکم کہ "تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا" مسلمان مرد اور عورت دونوں کیلئے ہے۔ عدل کو نہ چھوڑنے کا صاف مطلب ہے کہ جب تم فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یہاں فیصلہ کرنے والا مرد بھی ہو سکتا ہے۔ اور عورت بھی ہو سکتی ہے یہ حکم دونوں کے لئے مساوی ہے۔

قرآن میں ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے،(۱)

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّاتَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوااللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ م بِمَاتَعْمَلُوْنَ ۸

اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے"۔

یہاں پر "اے ایمان والو" سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونوں شامل ہیں۔ دونوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ "انصاف کی گواہی دو" "انصاف نہ چھوڑو" اور "انصاف کیا کرو"۔ تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں انتہائی سلیس زبان میں مومن مرد اور مومن عورت کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ انصاف کرنے والا کون ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں مزید حکم دیتا ہے،(۲)

"وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو"۔

عدل و انصاف کیلئے مرد و عورت میں کوئی فرق یا تخصیص نہیں : مولانا مودودی

---

(۱)۔ القرآن، سورہ المائدہ، آیت نمبر ۸

(۲)۔ القرآن، سورہ الحجرات، آیت نمبر ۹

تفہیم القرآن میں "طائفہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "عربی زبان میں فرقہ بڑے گروہ کیلئے اور طائفہ چھوٹے گروہ کیلئے بولا جاتا ہے"۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف مردوں کیلئے ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرادیا کریں یا پھر یہ حکم عام ہے۔ جس میں مردوں اور عورتوں کی کوئی قید نہیں رکھی گئی۔ مسلمانوں کے گروہوں یا طائفوں میں مردوں اور عورتوں کا شامل ہونا لازمی ہے کیونکہ طائفہ میں بچے، بوڑھے، جوان مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ یہاں پر مومنوں کے دو گروہوں کے بارے میں کہا جارہا ہے۔ مومنوں میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ مرد اور عورتیں دونوں، گروہ کے حصہ ہوتے ہیں تو پھر دونوں کیلئے حکم دیا گیا ہے کہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں صلح کرادیا کریں۔ خواہ مرد صلح کرائے یا عورت کرائے۔ صلح کرانے والی ہستی یقیناً ایسی ہوگی یا ہونی چاہئے جسے فریقین منصف کی حیثیت سے تسلیم کریں اگر یہ بات درست ہے تو پھر عورت کے منصف ہونے میں کیا قباحت ہے اور کیا پابندی ہے یہ تو اللہ کا حکم ہے کہ "صلح کراؤ"۔ ہمیں اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اگر مسلمان عورتوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو کیا ان کے درمیان اس حکم ربانی کے تحت صلح نہیں کرائیں گے؟ اور یہ کہ مسلمان عورتوں کے ایک دو متحارب گروہوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے صرف مرد حضرات کی ضرورت پڑے گی مسلمان عورتیں ان کے درمیان صلح کرانے کی اہل نہیں ہوں گی؟ اگر مسلمان عورتیں ان دو مسلمان عورتوں کے گروہوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرا سکتی ہیں تو پھر ان کو کون سے حکم کے تحت انصاف کرنے سے روکا جاسکتا ہے؟ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ "صلح کراؤ" خواہ مرد ہو یا عورت دونوں پر اس حکم کی بجاآوری لازمی قرار کی گئی ہے۔

قرآن میں "مومن" کی تعریف یوں کی گئی ہے، (۱)

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ

(۱)۔ القرآن، سورہ التوبہ، آیت نمبر ۷۱

سَیَرۡحَمُہُمُ اللّٰہُ ط اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق (دوست) ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے"۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (۱) "جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح اہل ایمان بھی ایک الگ امت ہیں اگرچہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا خارجی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے لیکن دونوں کے مزاج، اخلاق، اطوار، عادات اور طرز فکر و عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاں زبان پر ایمان کا دعویٰ ہے، مگر دل سچے ایمان سے خالی ہیں وہاں زندگی کا سارا رنگ ڈھنگ ایسا ہے جو اپنی ایک ایک ادا سے دعوائے ایمان کی تکذیب کر رہا ہے۔ اوپر کے لیبل پر تو لکھا ہے کہ یہ مشک ہے مگر لیبل کے نیچے جو کچھ ہے وہ اپنے پورے وجود سے ثابت کر رہا ہے کہ یہ گوبر کے سوا کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے جہاں ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے وہاں مشک اپنی صورت سے، اپنی خوشبو سے، اپنی خاصیتوں سے ہر آزمائش اور ہر معاملہ میں اپنا مشک ہونا کھولے دے رہا ہے۔ اسلام و ایمان کے عرفی نام نے بظاہر دونوں گروہوں کو ایک امت بنا رکھا ہے، مگر فی الواقع منافق مسلمانوں کا اخلاق مزاج اور رنگ طبیعت کچھ اور ہے اور صادق الایمان مسلمانوں کا کچھ اور۔ اسی وجہ سے منافقانہ خصائل رکھنے والے مرد و زن ایک الگ جتھابن گئے ہیں جن کو خدا سے غفلت، برائی سے دلچسپی، نیکی سے بُعد اور خیر سے عدم تعاون کی مشترک خصوصیات نے ایک دوسرے سے وابستہ اور ایمان سے عملاً بے تعلق کر دیا ہے۔ اور دوسری جانب سچے مومن مرد و زن ایک دوسرا گروہ بن گئے ہیں جس کے سارے افراد میں یہ خصوصیات مشترک ہے کہ نیکی سے وہ دلچسپی رکھتے ہیں، بدی سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد ان کے لیے غذا کی طرح زندگی کی

(۱)۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ نمبر ۲۱۴

ناگزیر ضروریات میں شامل ہے، راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے ان کے دل اور ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، اور خدا اور رسول کی اطاعت ان کی زندگی کا وتیرہ ہے۔ اس مشترک اخلاقی مزاج اور طرزِ زندگی نے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور منافقین کے گروہ سے توڑ دیا ہے"۔

اس تشریح کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ مومن مرد و زن ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس گروہ کے مرد و زن دونوں کیلئے حکم ہے کہ وہ "اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں اور برے کام کرنے سے منع کریں"۔

مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی انعامات کا ذکر قرآن حکیم میں اسطرح فرمایا ہے،(۱)

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۵۵

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ مومن عورت اگر حاکم بن سکتی ہے تو قاضی کیوں نہیں بن سکتی، یقیناً اگر وہ اسلام کے معیار کے مطابق پکی سچی مومن ہے اور نیک عمل کرتی ہے اور اس میں قاضی بننے کی اہلیت موجود ہو تو ایسی مومن عورت کو قاضی یا جج بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

---

(۱)۔ القرآن، سورہ النور، آیت نمبر ۵۵

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ،(۱)

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا لا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًام بَصِیْرًا ۵۸

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اچھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے"۔

مندرجہ بالا آیت قرآن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عدل وانصاف کیلئے عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق یا تخصیص نہیں ہے۔ جس طرح عورت کے حکمران بننے کی مخالفت کی جاتی ہے اس طرح عورت کے جج یا قاضی بننے کو بھی خلاف اسلام ہونے کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں لیکن قرآن میں کہیں بھی عورت کے قاضی ہونے کو خلافِ اسلام قرار نہیں دیا گیا۔ بدائعِ الصنائع کے مؤلف علامہ کاسانی نے (۲) قاضی بننے کیلئے جو شرائط مرتب کی ہیں وہ یہ ہیں،

1۔ قاضی کے عہدے کیلئے عاقل ہونا ضروری ہے۔
2۔ بالغ ہونا ضروری ہے۔
3۔ مسلمان ہونا ضروری ہے۔
4۔ آزاد ہونا ضروری ہے یعنی غلام نہ ہو۔
5۔ قوت گویائی کا حامل ہونا ضروری ہے یعنی گونگا نہ ہو۔
6۔ بدچلن اور سزایافتہ نہ ہو۔

قاضی بننے میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں کسی انسان کا پاگل ہونا، بچہ ہونا، غلام ہونا، غیر مسلم ہونا اور بدچلنی کے الزام میں سزایافتہ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے یعنی جس انسان میں یہ خامیاں موجود ہوں وہ جج یا قاضی نہیں بن سکتا بصورت دیگر ہر مسلمان مرد و عورت جس میں

(۱)۔ القرآن، سورہ النساء، آیت نمبر ۵۸

(۲)۔ علامہ کاسانی، بدائع الصنائع

قاضی بننے کی مندرجہ بالا اہلیت موجود ہو قاضی بن سکتا یابن سکتی ہے۔ علامہ کاسانی نے قاضی کے عہدے پر فائیز ہونے کیلیئے مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی آپ لکھتے ہیں کہ مملکت کے اس اہم عہدے پر فائز ہونے کیلیئے مرد ہونا شرط نہیں عورت بھی قاضی بن سکتی ہے۔

علماء کے نزدیک (۱) قاضی کا عہدہ، حاکم کے عہدے سے دوسرے نمبر پر ہے۔ انہی علماء کے نزدیک عورت شرعی حدود اور قصاص کے مقدمات کے فیصلے نہیں کر سکتی کیونکہ وہ ان معاملات میں گواہی دینے کی اہل نہیں ہے اور جب وہ ان معاملات کے مقدمات میں گواہی نہیں دے سکتی تو وہ ان مقدمات کے فیصلوں کیلیئے قاضی بھی نہیں بن سکتی مگر فتاویٰ شامی (۲) کے مؤلف علامہ ابن عابدین، حنفی فقہ (۳) کے مؤلف علامہ بدرالدین العینی کا استدلال ہے کہ عورت حدود اور قصاص کے معاملات میں بھی قاضی کے فرائض سرانجام دے سکتی ہے۔ قاضی شریح، حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول کرتے تھے۔ شیخ ابو لعین نسفی نے امام محمد کی کتاب الجامع الکبیر کی شرح میں لکھا ہے کہ (۴) حنفی قاضی، حدود اور قصاص کے مقدمات میں ایک مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی کی بنا پر فیصلہ دے سکتا ہے اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری کے مؤلف علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں (۵) "اگر کوئی قاضی عورت حدود و قصاص کے کسی مقدمے کا فیصلہ دے اور اسے مرد قاضی درست تسلیم کرے تو اس فیصلے پر فقہاء کا اجماع ہے۔

قانون

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق (۶) کسی عورت کے جج یا قاضی بننے میں

---

(۱)۔ ایس این غوری، قوانینِ شریعت

(۲)۔ علامہ ابن عابدین، فتاویٰ شامی

(۳)۔ علامہ بدرالدین عینی، حنفی فقہ

(۴)۔ شیخ ابو لعین نسفی، شرح الجامع الکبیر

(۵)۔ علامہ بدرالدیں عینی، شرح صحیح بخاری "عمدۃ القاری"

(۶)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء

کوئی رکاوٹ نہیں۔ جو کوئی عورت ملکی قانون اور اسلامی فقہ و شریعت کے قانون سے واقفیت رکھتی ہے اور وکالت کرتی ہے اور میرٹ پر پورا اترتی ہو تو ایسی عورت جج بن سکتی ہے۔

رسم و رواج

سپریم کورٹ آف پاکستان اور ہائی کورٹس میں صرف دو خاتون جج: حالات و واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو پاکستانی عورتوں کو جج بننے کے بہت کم مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد آج تک کسی عورت کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ پاکستان کا چیف جسٹس نہیں بنایا گیا کیونکہ ایک اعلیٰ بااختیار مرد نے کبھی نہیں چاہا کہ عورت کو اس عہدے پر آنے دیا جائے جبکہ آئین اسکی اجازت دیتا ہے اور اسکے چیف جسٹس بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس وقت سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کی تعداد تیرہ ہے اور ان میں ایک بھی خاتون جج نہیں۔ سندھ ہائی کورٹ کے اٹھارہ جج صاحبان میں ایک خاتون محترمہ جسٹس ماجدہ رضوی کے ریٹائر ہو جانے کے بعد اب کوئی خاتون جج نہیں ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے چوبیس میں صرف ایک خاتون جج ہیں۔ سرحد ہائی کورٹ کے بارہ میں صرف ایک خاتون جج ہیں جبکہ بلوچستان ہائی کورٹ میں کوئی خاتون جج نہیں۔ پورے پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس وقت صرف دو خواتین بطور جج تعینات ہیں۔

دفاتر میں عورتوں کی شراکت: پاکستانی عورت کی مظلومیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے قومی اداروں اور محکموں میں عورتوں کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثلاً محکمہ شماریات پاکستان کی رپورٹ کے مطابق پاکستان بھر کے دفاتر میں عورتوں کی شرکت اسطرح تھی، (۱)

نمبر شمار	عہدہ	۱۹۷۳	۱۹۸۱	۱۹۹۱
۱۔	پروفیشنل ورکرز	۹ فیصد	۱۵ فیصد	۲۰.۶ فیصد
۲۔	ایڈمنسٹریٹو اینڈ	۹ فیصد	۱۵ فیصد	۲۲.۰ فیصد

(۱)۔ محکمہ شماریات پاکستان، رپورٹ ۱۹۸۱ء

نمبر شمار	عہدہ	۱۹۷۳	۱۹۸۱	۱۹۹۱
	منیجریل ورکرز			
۳۔	کلیریکل ورکرز	۲فیصد	۳فیصد	۹۵ء۰فیصد
۴۔	پروڈکشن ورکرز	۲فیصد	۴فیصد	۶۲ء۷افیصد
۵۔	سیل ورکرز	افیصد	۲فیصد	۷۹ء۲فیصد

میں نے اپنی ڈائریکٹریس محترمہ پروفیسر تہمینہ گل کی وساطت سے پاکستان وآزاد کشمیر کی ہائی کورٹس وسپریم کورٹس کے رجسٹرار صاحبان اور محکمہ داخلہ کے سیکرٹری صاحبان سے درخواست کی کہ مجھے جوڈیشل افسران اور جج صاحبان کے اعداد وشمار ارسال کئے جائیں کہ ان میں خواتین کی شمولیت کس قدر ہے۔ جو جوابات موصول ہوئے ان کے مطابق خواتین کی حالتِ زار اس طرح ہے۔

نمبر شمار	نام صوبہ	اسامی کا نام	کل تعداد	مرد	عورتیں
۱	سرحد(۱)	جج ہائی کورٹ	۱۱	۱۰	۱
		رجسٹرار	۱	۱	۔
		سیشن جج	۲۱	۲۱	۔
		ایڈیشنل سیشن جج	۲۷	۲۶	۱
		سول جج	۱۲۳	۱۱۳	۱۰
۲	پنجاب(۲)	جج ہائی کورٹ	۴۰	۳۹	۱
		رجسٹرار	۱	۱	۔

(۱)۔ بحوالہ چٹھی نمبر ۱۴۸۳ مورخہ ۲۵/۰۲/۲۰۰۰ رجسٹرار ہائی کورٹ پشاور۔

(۲)۔ بحوالہ چٹھی نمبر ۱۴۸۳ مورخہ ۲۴/۰۲/۲۰۰۰ اسسٹنٹ رجسٹرار لاہور ہائی کورٹ۔

نمبر شمار	نام صوبہ	اسامی کا نام	کل تعداد	مرد	عورتیں
		سیشن جج	۸۱	۸۱	-
		ایڈیشنل سیشن جج	۱۹۹	۱۹۹	-
		سول جج	۴۳۸	۴۲۷	۱۱
		جوڈیشل مجسٹریٹ	۳۳	۳۳	۱
۳	سندھ(۱)	جج ہائی کورٹ	۲۰	۲۰	-
		رجسٹرار	۱	۱	-
		سیشن جج	۲۲	۱۶	۶
		ایڈیشنل سیشن جج	۸۹	۸۲	۷
		سول جج	۹۵	۷۸	۱۷
		جوڈیشل مجسٹریٹ	۱۱۹	۱۱۰	۹

۴ بلوچستان رجسٹرار ہائی کورٹ بلوچستان، کوئٹہ، نے یاد ہانی کے باوجود اعداد و شمار ارسال نہیں کئے۔

نمبر شمار	نام صوبہ	اسامی کا نام	کل تعداد	مرد	عورتیں
۵	آزاد جموں اینڈ کشمیر(۲)	جج ہائی کورٹ	۵	۵	-
		رجسٹرار	۱	۱	-
		سیشن جج	۷	۷	-
		ایڈیشنل سیشن جج	۳	۳	-
		سول جج	۲۳	۲۳	-

(۱)۔ بحوالہ چھٹی مؤرخہ ۱۰/۰۳/۲۰۰۰ رجسٹرار ہائی کورٹ سندھ۔

(۲) بحوالہ چٹھی نمبر ۳۷۷ امؤرخہ ۲۵/۰۲/۲۰۰۰ رجسٹرار عدالت عالیہ آزاد جموں و کشمیر مظفرآباد

پاکستان کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز عورتوں کی شراکت : پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز عورتوں کی تعداد کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے جو سینٹرل بیورو آف ایجوکیشن، حکومت پاکستان نے شائع کی (۱)۔

نمبر شمار	نام یونیورسٹی	مرد	عورتیں
۱۔	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد	۶۰	۴
۲۔	انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد	۴۰	۔
۳۔	قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد	۴۲	۳
۴۔	بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان	۴۱	۔
۵۔	اسلامک یونیورسٹی بہاولپور	۲۱	۔
۶۔	یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد	۷۸	۔
۷۔	یونیورسٹی آف انجینئرنگ لاہور	۵۰	۔
۸۔	یونیورسٹی آف پنجاب لاہور	۸۵	۴
۹۔	این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی کراچی	۳۷	۱
۱۰۔	مہران یونیورسٹی جامشورو	۳۷	۱
۱۱۔	سندھ ایگریکلچر یونیورسٹی ٹنڈو جام	۵۳	۔
۱۲۔	یونیورسٹی آف کراچی	۷۲	۵
۱۳۔	آئی بی اے کراچی	۵	۔
۱۴۔	یونیورسٹی آف سندھ جامشورو	۶۱	۳
۱۵۔	شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور	۲۹	۱
۱۶۔	گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان	۳۱	۱
۱۷۔	یونیورسٹی آف انجینئرنگ پشاور	۲۲	۔
۱۸۔	ایگریکلچر یونیوسٹی پشاور	۳۷	۔

(۱)۔ سینٹرل بیورو آف ایجوکیشن حکومت پاکستان، رپورٹ ۱۹۹۰ء

نمبر شمار	نام یونیورسٹی	مرد	عورتیں
۱۹۔	یونیورسٹی آف پشاور	۵۳	۱
۲۰۔	یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ	۵۱	۴
۲۱۔	یونیورسٹی آف آزاد جموں اینڈ کشمیر مظفر آباد	۳۵	۲
۲۲۔	آغا خان یونیورسٹی کراچی	۵۵	۸
۲۳۔	ہمدرد یونیورسٹی کراچی	۷	۱
۲۴۔	لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائینسز لاہور	۲۲	۵
۲۵۔	غلام اسحاق خان انسٹیٹیوٹ آف سائینسز سرحد	۱۲	۱
۲۶۔	نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ماڈرن لنگویجز اسلام آباد	۱۱	۵
۲۷۔	نیشنل کالج آف آرٹس لاہور	۴	۱

پاکستان میں مزدور اور محنت کش عورتیں: یہ تھی رپورٹ تعلیمی اداروں کی جہاں پر مردوں کی اجارہ داری قائم ہے اور عورتوں کی شرکت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب انہی عورتوں کو کھیتوں، کھلیانوں اور فیکٹریوں میں بطور مزدور کام کرتے ہوئے دیکھیں۔ یہ رپورٹ بھی حکومت پاکستان کے محکمہ شماریات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے (۱)۔

نمبر شمار	سیکٹر	۱۹۷۳	۱۹۸۱	۱۹۹۱
۱۔	ایگریکلچر	۶۵ء۱ فیصد	۳۶ فیصد	۵۴ء۹۱ فیصد
۲۔	فیکٹریاں	۱۱ء۲ فیصد	۷ فیصد	۱۱ء۱۱ فیصد
۳۔	ٹریڈ اینڈ سروسس (مزدور ورکرز)	۲۱ء۸ فیصد	۳۵ فیصد	۱۵ء۵۷ فیصد

کوئلے کی کانوں، پتھر کی کانوں، تعمیرات اور اینٹ کے بھٹوں پر عورتوں سے مزدوری کروائی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق (۲) ان تینوں صنعتوں میں عورتوں کی

(۱)۔ محکمہ شماریات پاکستان کی رپورٹ

(۲)۔ محکمہ شماریات پاکستان کی رپورٹ۔

مجموعی تعداد تقریباً پچاس ہزار کے قریب ہے جو کل تعداد کا ۵٦ فیصد بنتی ہے۔ پاکستان میں تقریباً ۲۴۵۵ اینٹ کے بھٹے ہیں۔ ان بھٹوں پر تقریباً ۴۸۴۰۰ تقریباً ٦۰ فیصد عورتیں مزدوری کرتی ہیں۔ ایک سروے میں دیئے گئے کوائف کے مطابق (۳) کان کنی اور تعمیراتی صنعتوں میں مزدوری کرنے والی عورتوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

---

(۳)۔ ایچ ای ڈی سروے ۱۹۷۳ء

عورت بحیثیت مقتدی وامام

عورتوں کے مساجد میں جانے اور باجماعت نماز پڑھنے یا امامت کرانے کے بارے میں پاکستانی علمائے کرام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ عورت امامت کی اہل نہیں۔ عورت کا نماز عید میں جانا اور باجماعت نماز ادا کرنا بھی ضروری نہیں لیکن بعض مفکرین کا خیال ہے کہ عورت نہ صرف نماز عید میں باقائدگی سے جاسکتی ہے، نماز باجماعت ادا کر سکتی ہے بلکہ نماز کی امامت بھی کرواسکتی ہے۔

سب سے پہلے ہم نماز کے بارے میں اللہ رب العزت کے احکامات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اللہ کی منشاء کیا ہے تاکہ بات آسانی سے سمجھ سکے۔

قرآن حکیم میں نماز کی ادائیگی کا حکم عورت اور مرد دونوں کیلئے اس طرح آیا ہے،(۱)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط

اور تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو

مومنین (مسلمان مرد و عورت) کو قرآن حکیم میں نماز کیلئے اس طرح حکم دیا گیا ہے،(۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

"اے ایمان والو! صبر سے اور نماز سے قوت حاصل کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان والے کون لوگ ہیں؟ قرآن حکیم میں ایمان والوں کی جو پہچان بتائی گئی ہے اس کے مطابق ایمان والے وہ لوگ (مسلمان مرد و عورت) ہیں جو نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔

---

(۱)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۱۰

(۲)۔ القرآن، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۱۵۳

ملاحظہ فرمائیں،(۱)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳

"بس ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو قوی تر کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ خرچ بھی کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں"۔

ان آیات میں مومنوں سے کہا گیا ہے کہ وہ نماز ادا کریں اور مومن سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورت ہے۔ لہٰذا نماز کی ادائیگی ہر مسلمان مرد و عورت پر یکساں فرض ہے۔

نماز کی تیاری کیلئے اللہ تعالیٰ کا حکم اسطرح ہے،(۲)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۳۱

"اے نبی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اس آیت کریمہ میں خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ کی تشریح کرتے ہوئے سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں

"(۳) یہاں زینت سے مراد مکمل لباس ہے، خدا کی عبادت کیلئے کھڑے ہونے کیلئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ آدمی محض اپنا ستر چھپائے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حسب استطاعت وہ اپنا پورا لباس پہنے جس میں ستر پوشی بھی ہو اور زینت

(۱)۔ القرآن، سورہ انفال، آیت نمبر ۲، ۳

(۲)۔ القرآن، سورہ الاعراف، آیت نمبر ۳۱

(۳)۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد نمبر دوم، صفحہ نمبر ۲۲

بھی.........................."۔

ترجمہ اور تشریح پیش کرنے کے بعد میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں یٰبَنِیٓ اٰدَمَ (اے بنی آدم یا اے اولاد آدم) سے مراد صرف مرد ہیں یا کہ یہ خطاب تمام مردوں اور تمام عورتوں کیلئے ہے؟ جواب بہت آسان ہے یہ خطاب تمام اولاد آدم کیلئے ہے۔ تمام مسلمان مردوں کیلئے ہے اور تمام مسلمان عورتوں کیلئے ہے۔ اس کا مزید آسان مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان مرد اور تمام مسلمان عورتیں جب نماز کی تیاری کریں تو مکمل لباس پہن کر نماز پڑھیں۔

اب ہم وضو کرنے کا طریقہ قرآن سے معلوم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے، (۱)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ط

اے ایمان والو! (مومن مرد و مومن عورتیں) جب تم نماز کیلئے اٹھو تو چاہیئے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو"

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ (۲) "نبی ﷺ نے اس حکم کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ دھونے میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے بغیر اس کے منہ کے غسل کی تکمیل نہیں ہوتی، اور کان چونکہ سر کا ایک حصہ ہیں اس لئے سر کے مسح میں کانوں کے اندرونی و بیرونی حصوں کا مسح بھی شامل ہے۔ نیز وضو شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لینے چاہیں تاکہ جن ہاتھوں سے آدمی وضو کر رہا ہو وہ خود پہلے پاک ہو جائیں۔

اس آیت میں وضو کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اسکی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ آیا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) میں صرف مردوں کو

---

(۱)۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶

(۲)۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ نمبر ۴۴۸

خطاب کیا گیا ہے یا تمام مومن مردوں کو اور تمام مومن عورتوں کو؟ کسی بھی تشریح یا غور و فکر کی ہرگز ضرورت نہیں یہ خطاب تمام مومنین سے ہے اور مومنین سے مراد مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کیلئے نماز سے پہلے وضو کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور دونوں کیلئے وضو کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔

نماز کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے سے متعلق اس طرح ارشاد فرمایا ہے، (۱)

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ط

”اے محمد! ان سے کہو، میرے رب نے تو راستی و انصاف کا حکم دیا ہے اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو اس کیلئے خاص رکھ کر۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کئے جاؤ گے“۔

اس آیت کریمہ میں بھی تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو کہا گیا ہے کہ وہ نماز کیلئے قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوں۔ مرد اور عورتیں تمام کے تمام خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔

مومنوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ، (۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

”اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ“

اس آیت میں اٰمَنُوا سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں۔ دونوں کے لئے حکم ہے کہ اگر وہ نشہ کی حالت میں ہوں تو نماز کے قریب نہ جائیں کیونکہ اس طرح نماز

(۱)۔ القرآن، سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۲۹

(۲)۔ القرآن، سورۃ الجمعہ، آیت نمبر ۹

ادا نہیں ہو گی بلکہ نماز باطل ہو جائے گی۔

مقررہ اوقات میں نمازوں کی ادائیگی اور باقاعدگی کی تاکید کے بارے میں اللہ نے قرآن مجید میں مومنین کو اس طرح تاکید فرمائی ہے،(۱)

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ج فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ج إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۱۰۳

"پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو نماز در حقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان (مومنین) پر لازم کیا گیا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں بڑے آسان اور عام فہم انداز میں کہا گیا ہے کہ بے شک نماز مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اگر مومن سے مراد مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہونے میں کوئی شک نہیں تو پھر اس آیت کے سمجھنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئیگی اس کا صاف صاف مطلب ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں وقت مقررہ پر نماز ادا کیا کریں۔

جمعہ کی نماز کی ادائیگی کیلئے مذید تاکید کرتے ہوئے مومنین سے کہا گیا ہے کہ،(۲)

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹

مومنو! جب جمعے کے دن نماز کیلئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کیلئے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے"۔

یہاں مومن مرد اور مومن عورت دونوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ جب جمعے کی اذان ہو جائے تو کاروبار بند کر کے جمعے کی نماز کیلئے چل پڑو اور یہ بات بھی آسانی سے سمجھ آرہی ہے کہ جمعے کی اذان کی آواز سننے کے فوراً بعد مومن مردوں اور عورتوں کو کاروبار بند کرنے اور نماز کی

(۱)۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۳

(۲)۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۰۳

ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں یہ ہر گز نہیں کہا گیا کہ مسلمان عورتیں اپنے کام جاری رکھیں اور جمعے کی نماز کیلئے نہ جائیں بلکہ تاکید سے کہا جارہا ہے کہ صرف نماز کیلئے جلدی کرو اور اہتمام کرو باقی کام چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ کیا جمعے کی نماز اکیلے، بغیر جماعت کے بھی ادا ہو جاتی ہے ؟ اگر نہیں تو پھر عورتیں کیسے نماز جمعہ ادا کریں۔ ظاہر ہے مسجد میں جماعت کے ساتھ وہ نماز پڑھیں گی تو آیت کے مطابق حکم کی تعمیل ہو گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں مومن عورتوں کو کہاں منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے مسجد نہ جائیں ؟

حدیث شریف میں بھی عورتوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے نہیں روکا گیا۔ آنحضرت ﷺ سے صحیح روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، (۱) "نہ منع کرو لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو منع نہ کرو اس کو"۔

مسلم کی روایت ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے کہ (۲) جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں شریک ہو تو اس رات خوشبو استعمال نہ کرے۔ مسلم نے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ (۳) جس عورت نے خوشبو استعمال کی ہو وہ ہماری عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

مندرجہ بالا احادیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مسلمان عورتوں کو مسجد میں جانے اور مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت ہے البتہ عشاء کی نماز میں بناؤ سنگھار یا خوشبو لگا کر عورت کا نماز باجماعت میں شامل ہونا درست نہیں۔ لیکن عورتوں کے مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے پر کوئی پابندی نظر نہیں آتی۔

قرآن میں حضرت مریمؑ سے کہا گیا ہے کہ (۴) وہ بیت المقدس میں جو عبادت

---

(۱)۔ بخاری، کتاب الاذان، باب (۵۵۲) خروج النساء الی المساجد، جلد اول، صفحہ نمبر ۳۹۷

(۲)۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد

(۳)۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد

(۴)۔ القرآن، سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۴۳

گزار ہیں ان کے ساتھ مل کر (باجماعت) قیام، رکوع و سجود بجالائیں۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ٤٣

"اے مریم تو اپنے رب کی فرمانبردار بن کر رہ اور سجدہ کیا کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کر"۔

اس آیت کریمہ کی موجودگی میں جو ایک برگزیدہ عورت کے بارے میں نازل ہوئی، عورت کے مسجد میں جانے اور باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے مزید کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ اپنی تالیف "بیوی کی ٹھکائی" میں حضرت عاتکہ اور مسجد نبوی کے زیر عنوان لکھتے ہیں، (۱) "حضرت عاتکہؓ تاریخ اسلام کی عظیم المرتبت خاتون ہیں، یہ حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ ہیں جن کی شخصیت تاریخ عالم میں نہ سرف بے مثال ہے بلکہ نادر روزگار بھی ہے۔

مختلف مکتبۂ فکر کے نزدیک عورت اپنے گھر یا محلے کی عورتوں کی امام بن سکتی ہے :

حضرت عاتکہؓ محترمہ بحیثیت زوجہ امیر المؤمنین معمول کے مطابق پانچ وقت کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو مسجد نبوی میں نماز کے لئے پابندی سے آپ کی حاضری پسند نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خواہش کا اظہار اور اپنی ناپسندیدگی کا اشارہ متعدد دفعہ کیا اور چاہا کے حضرت عاتکہؓ نماز باجماعت مسجد نبوی میں نہ ادا کیا کریں لیکن حضرت عاتکہؓ نے ان کی پسند اور ناپسند کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور بر ملا فرمایا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں آپ مجھے حکم دے سکتے ہیں۔ اگر آپ حکم کریں گے تو میں مسجد میں نہیں جاؤں گی، ورنہ ضرور جاؤں گی۔ اظہار پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حکم نہیں دے سکتے تھے اس لئے کہ آنحضرت کا حکم تھا کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکا جائے۔ اگر حضرت عمرؓ حکم جاری کرتے تو وہ حکم، حکم پیغمبر کے خلاف ہوتا اس لئے حکم نہیں دیا اور حضرت عاتکہؓ

(۱)۔ محمد انیس الرحمان ایڈووکیٹ، بیوی کی ٹھکائی

ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز باجماعت ادا کرتی رہیں۔ حضرت عاتکہؓ نے حضرت عمرؓ سے بڑی نازک قانونی بات کہی تھی کہ آپ امیر المؤمنین ہیں حکم دیجئے۔ امیر المؤمنین کا حکم سر آنکھوں پر، اس کی تعمیل ہوگی۔ یہ مسئلہ سماجی، تنظیمی اور قانونی اہمیت کا حامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حکم دیدیا کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے تو گویا پیغمبر آخر نے ایک قانون مرتب کر دیا کہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنی طبقۂ نسواں کا قانونی حق ہے۔ اس کی ادائیگی سے ان کو کسی حال میں بھی روکا نہیں جا سکتا۔ حضرت عاتکہؓ نے اپنی زندگی سے اور اپنے عمل سے رسولؐ کے دیئے ہوئے قانونی حق کو استعمال کیا اور اسے استحکام بخشا، اس کی عظمت کو باقی رکھا اس پر مضبوطی سے عمل پیرا رہیں اور دنیائے اسلام کے طبقۂ نسواں کیلئے اپنا نقشِ قدم چھوڑ گئیں کہ کسی حال میں بھی عورتوں کو نماز باجماعت سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ مسجد میں جاکر نماز باجماعت پڑھنا عورتوں کا حق ہے، مرد اگر اس میں مزاحم ہوں تو عورتوں کو اس کے خلاف سینہ سپر ہو جانا چاہئے البتہ یہ ضروری ہے کہ مسجد میں سادہ لباس پہن کر جانا چاہئے جس طرح عرب خواتین جاتی تھیں۔ عورت کو رنگین لباس پہن کر اور زیورات زیبِ تن کر کے مسجد میں کبھی نہیں جانا چاہئے۔ عورتیں اگر مجاہدہ کی زندگی بسر کرنی شروع کریں گی تو ان میں سادگی پیدا ہونا لازمی ہے۔

حضرت عاتکہؓ سمجھتی تھیں کہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے عورتوں کی فکر و نظر میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے گا اور مسجد کی فضاء اس کا تقویٰ اور اس کی طہارت عورتیں اپنے گھروں میں بھی قائم کریں گی جس کی وجہ سے ان کی سماجی زندگی میں روح قرآنی کی عکاسی لازمی ہوگی۔ عورتیں اگر مسجدوں میں نماز باجماعت ادا کرنے کی عادی ہو جائیں گی تو وہ مسلمانوں کی جماعت کا مضبوط رکن ثابت ہوں گی اور جماعت کے استحکام اور تنظیم کا فلسفہ ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے گا اور اس طرح وہ گھریلو فضاء میں لہو و لعب کی زندگی سے محفوظ ہو جائیں گی۔

حضرت عاتکہؓ نے مسجد میں حاضری کو شوہر کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر مقدم رکھا اور ثابت کر دیا کہ عورتوں کو نماز باجماعت میں ضرور شریک ہونا چاہئے اور جماعت کے

استحکام میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی تنظیم جماعت میں عورتوں کی شرکت کتنی ضروری ہے تاکہ جماعت کو استحکام نصیب ہو سکے۔ جماعت سے اگر عورتوں کو دور رکھا جائے گا تو مسلمانوں کی جماعت نصف آبادی کی طاقت سے فیص یاب نہیں ہو گی اور کمزور ہو جائے گی۔ طبقۂ نسواں کو اگر جماعت سے الگ کر دیا جائے گا تو جماعت کی تمام خوبیاں ان سے چھن جائیں گی اور گھریلو ماحول میں وہ کبھی مسجد کا ماحول قائم نہیں کر سکیں گی اس لئے کہ فرض کی ادائیگی کی جگہ مسجد ہے اور سنت اور نوافل کیلئے گھر کو مسجد بنانے کا حکم ہے"۔

جہانتک عورت کی امامت کا تعلق ہے، جسٹس سید امیر علی کے مطابق (۱) "امام شافعی کے نزدیک عورتوں کی جماعت مستحب ہے اور ابو داؤد کی حدیث ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث بن عمیر الانصاریہ" میں ثابت ہے کہ یہ عورت قرآن پڑھی تھی اور حضرت محمد ﷺ نے اس کے لیے اس کی درخواست پر اس کے دار کا ایک مؤذن مقرر کیا اور اس کو حکم دیا کہ اپنے اہل الدار کی امامت کیا کرے۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ نماز فرائض میں عبدالرحمٰن راوی نے کہا کہ میں نے اس کے مؤذن کو بہت بوڑھا آدمی دیکھا اور اس کو شہادت کی بشارت دی تو وہ شہیدہ کہلاتی تھی چنانچہ زمانۂ خلافت حضرت عمرؓ میں اپنے مدبر غلام ولونڈی کے ہاتھوں ظلماً شہید ہوئی۔ اس کی اسناد میں ولید بن جمیع عن الرحمٰن بن خلاد ہے۔ اور ابن معین و عجلی نے اس کو ثقہ کہا اور احمد و ابو زرعہ نے کہا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے خود دونوں کو ثقات میں لکھا ہے۔ عبدالرزاق و شافعی وابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عورتوں کی امامت کی ان کے بیچ میں کھڑے ہو کر۔ اور یہی روایات عبدالرزاق نے ابن عباس سے اور ابن عدی نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی۔ اور صحیح میں حضرت عائشہؓ نے فریضہ میں عورتوں کی امامت کی بیچ میں کھڑے ہو کر۔ لیث بن ابی سلیم راوی ثقہ ہے امام مسلم نے اس سے مقرر روایت کی اور یہاں بھی ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابن ابی لیلیٰ کی متابعت موجود

(۱)۔ جسٹس سید امیر علی، شرح ہدایہ (اردو ترجمہ عین الهدایہ)

ہے۔ ابن حزم نے محلی میں ذکر کیا کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کو نماز مغرب جہر قرأت سے پڑھائی اور ام سلمہؓ نے عصر پڑھائی"۔

عورت بحیثیت حکمران کے مؤلف پروفیسر محمد یاسین شیخ نے امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ کے زیر عنوان اس مضمون پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپکی پر مغز تحقیق کا خلاصہ یہ ہے، (۱) "بعض علمائے کرام عورت کی امامت کے استحقاق کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ عورت کو بطور امام نااہل قرار دیتے ہیں۔ لیکن آنحضورؐ کے دور میں عورتیں باقاعدگی سے مساجد میں جایا کرتی تھیں بلکہ صحابہ کرام کی ازواج بھی مسجدوں میں نماز ادا کیا کرتیں تھیں اور یہ عمل صحابہ کرام کے دور میں بھی جاری رہا۔ عورت کے امام بننے میں جو بڑی رکاوٹ بطور عذر پیش کی جاتی ہے وہ اسکی جسمانی معذوری اور علت ہے۔ کیونکہ یہ پیچیدگیاں ولادت ورضاحت اور ماہانہ عمل کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن اعتراض کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ یہ عمل قدرتی ہیں اور ان کے دوران عورت معذور ہو جانے کی وجہ سے اس پر نماز کی ادائیگی ساقط ہو جائیگی۔ عبادت کے علاوہ روزمرہ کے تمام کام خواتین کی نجاست اور ناپاکی کے دوران حسب معمول جاری رہتے ہیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اکرم ﷺ فجر کی نماز اس قدر اندھیرے میں پڑھاتے تھے کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی اپنے گھروں کو واپس ہوتی تھیں۔ یہ روایت حضرت ام سلمہؓ سے بھی موسوم ہے۔ طریقہ یہ تھا کہ عورتیں نماز سے سلام پھیرتے ہی کھڑی ہو جاتی تھیں اور گھروں کو روانہ ہو جایا کرتی تھیں جبکہ مرد حضرات اپنی اپنی جگھوں پر بیٹھے رہتے تاکہ عورتیں مسجد سے پہلے چلی جائیں اسکے بعد آپؐ اور صحابہ کرام اٹھتے۔

بخاری شریف کی حدیث میں حضرت ابو قتادہؓ انصاری کے حوالے سے بیان کیا گیا

---

(۱)۔ پروفیسر محمد یاسین شیخ، عورت بحیثیت حکمران

(۲)۔ بخاری شریف، کتاب الاذان، باب (۵۵۲)

خروج النساء الی المساجد، جلد اول، صفحہ نمبر ۳۹۷

ہے کہ (۱) رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ میں جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ لمبی قرأت کروں مگر جب میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں اسکی ماں کو پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ گویا یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نماز باجماعت کے دوران عورتیں مقتدی کی حیثیت سے مسجد میں مردوں کے ساتھ موجود ہوا کرتی تھیں۔ کئی شہادتیں موجود ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کی امامت فرمائی۔ آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام ورقہؓ نے بھی امامت کا فریضہ سرانجام دیا اور ان خواتین نے اس دور میں امامت کا فریضہ ادا کیا جب رسول اکرمؐ موجود تھے۔

حضرت ام ورقہؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ (۲) حضور اکرمؐ اکثر آپ کے گھر تشریف لیجایا کرتے تھے اور آپؐ نے حضرت ام ورقہؓ کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے گھر میں نماز کی امامت کیا کریں۔ آپؐ نے حضرت ام ورقہؓ کو نہ صرف امامت کی اجازت دی بلکہ ایک بوڑھے مرد کو مؤذن بھی مقرر فرمایا۔ ظاہر ہے یہ مؤذن مرد حضرت ام ورقہؓ کی امامت میں نماز بھی پڑھتا ہو گا۔

اگر احادیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام ورقہؓ کے امامت فرمانے کے ثبوت ملتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنے ایک مقالہ میں بحوالہ ابن قدامہ اور المغنی کے یہ ثابت کیا ہے کہ (۳) عورتیں نماز تراویح میں مردوں کی بھی امامت کر سکتی ہیں۔

عورتوں کے باجماعت نماز پڑھنے، مساجد میں جانے اور امامت کرانے کے ثبوت میں جو روایات اور احادیث موجود ہیں ان کی نفی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی رسول اکرمؐ کی دی ہوئی اجازت کو منسوخ کرنے کا کسی کے پاس اختیار موجود ہے۔

---

(۱)۔ بخاری شریف، کتاب الاذان، باب (۴۵۶)
من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی، جلد اول، صفحہ نمبر ۳۴۷

(۲)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاول پور

(۳)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور

ڈاکٹر حمید اللہ کا فتویٰ کہ عورت مقتدی وامام بن سکتی ہے : عصر حاضر کے ایک عظیم مفکر و مبلغ اسلام جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ خطباتِ بہاولپور میں لکھتے ہیں کہ (۱) حضرت ام ورقہؓ کو رسول اکرمؐ نے نہ صرف گھر والوں کی بلکہ محلے والوں کی بھی امامت کی اجازت فرمائی تھی اسلئے عورت کی امامت جائز ہے۔ آپ لکھتے ہیں "حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک انصاری عورت تھیں جو بہت پہلے ایمان لائی تھیں۔ چنانچہ ان کے متعلق لکھا ہے کہ جنگ بدر (۲ھ) میں جب رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں، میں اسلام کے دشمنوں سے جنگ کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے متعلق ایک اور روایت ہے جو اس سے بھی زیادہ عملی یا علمی دشواریاں پیدا کرے گی وہ یہ کہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ نے ان کے محلے "اہل دارھا" نہ کہ "اہل بیتہا" کی مسجد کا امام مامور فرمایا تھا جیسا کہ سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل میں ہے اور یہ بھی کہ ان کے پیچھے مرد بھی نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ کہ ان کا مؤذن ایک مرد تھا۔ ظاہر ہے کہ مؤذن بھی بطور مقتدی ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کو امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے متعلق یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ شاید ابتدائے اسلام کی بات ہو اور بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس کو منسوخ کر دیا ہو۔ لیکن اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک زندہ رہیں اور اپنے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ اس لیے ہمیں سوچنا پڑھے گا۔ بعض اوقات عام قاعدے میں استثناء کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے استثنائی ضرورتوں کے لیے یہ استثنائی تقرر فرمایا ہوگا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی تجربے کی ایک چیز بیان کرتا ہوں۔ پیرس میں چند سال پہلے کا واقعہ ہے ایک افغان لڑکی طالبہ کے طور پر آئی تھی۔ ہالینڈ کا ایک طالب علم جو اس کا ہم جماعت تھا، اس پر عاشق ہو گیا۔ عشق اتنا شدید تھا کہ اس نے اپنا دین بدل کر اسلام قبول کر لیا۔ ان دونوں کا نکاح ہوا۔ اگلے دن وہ لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی، کہ بھائی صاحب میرا شوہر مسلمان

---

(۱)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور

ہو گیا ہے اور وہ اسلام پر عمل بھی کرنا چاہتا ہے لیکن اسے نماز نہیں آتی اور اسے اصرار ہے کہ میں خود امام بن کر نماز پڑھاؤں۔ کیا وہ میرے اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ میں نے اسے جواب دیا کہ اگر آپ کسی عام مولوی صاحب سے پوچھیں گی تو وہ کہے گا کہ یہ جائز نہیں، لیکن میرے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کا ایک واقعہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اس لیے استثنائی طور پر تم امام بن کر نماز پڑھاؤ۔ تمہارے شوہر کو چاہیئے کہ مقتدی بن کر تمہارے پیچھے نماز پڑھے اور جلد از جلد قرآن کی ان سورتوں کو یاد کرے جو نماز میں کام آتی ہیں۔ کم از کم تین سورتیں یاد کرے اور تشہد وغیرہ یاد کرے۔ پھر اس کے بعد وہ تمہارا امام بنے اور تم اس کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔ دوسرے الفاظ میں ایسی استثنائی صورتیں جو کبھی کبھار امت کو پیش آسکتی تھیں، ان کی پیش بندی میں رسول اللہ ﷺ نے یہ انتخاب فرمایا تھا۔ حافظ ہونے کا صراحت کے ساتھ اگر کسی کے بارے میں ذکر ملتا ہے تو صرف ام ورقہؓ کے متعلق ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ یا حضرت ام سلمہؓ وغیرہ کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ حافظہ تھیں۔ انہیں کچھ سورتیں یقیناً یاد ہوں گی۔ اور ممکن ہے کہ بہت سی سورتیں یاد ہوں۔ لیکن ان کے حافظ قرآن ہونے کی صراحت کہیں نہیں ملتی"۔

قانون

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء کی رو سے (۱) پاکستانی خواتین کو برابر کا درجہ حاصل ہے۔ قانون کے مطابق عورت اور مرد دونوں مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر کسی شہری سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت امتیازی سلوک آئین کی خلاف ورزی ہے۔ مگر یہ تمام باتیں محض کاغذی حقوق تک محدود ہیں ان پر عمل درآمد کیا جاتا ہے اور نہ ہی کروایا جاتا ہے۔ بعض قوانین تو سراسر عورت کے خلاف ہیں جنہیں سرکاری حمایت بھی حاصل ہے۔

رسم ورواج

پاکستان میں عورت کے امام مسجد بننے پر مکمل پابندی عائد ہے: پاکستان میں عورت کے امام مسجد بننے یا بنانے پر مکمل پابندی عائد ہے۔ ہزاروں عورتیں اعلیٰ مذہبی

تعلیم حاصل کرنے کے باوجود نہ تو مفتی کے درجے پر فائز ہو سکتی ہیں اور نہ ہی وہ بطور امام تسلیم کی جاتی ہیں بلکہ قانون اور رسم ورواج میں پاکستانی عورت کا امام ہونا ایک انوکھی بات نظر آتی ہے۔ کوئی پاکستانی مرد، عورت کو امام بنانے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ پاکستان میں چند ایک کے سوا اکثر مساجد میں عورتوں کیلئے نماز ادا کرنے کی سہولت میسر نہیں اور نہ ہی مرد حضرات عورتوں کو نماز مسجدوں میں جاکر ادا کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

پاکستان میں ہزاروں عورتیں قرآن وحدیث کی علماء ہیں مگر انہیں مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں : اس وقت پاکستان میں ہزاروں خواتین حافظِ قرآن، قاری اور اعلیٰ مذہبی واسلامی تعلیم یافتہ ہیں۔ مگر پاکستان کے کسی بھی حصے میں، کسی بھی جگہ اور کسی بھی مسجد میں کوئی بھی عورت امامت کے فرائض انجام نہیں دے رہی۔ سینکڑوں عورتیں تبلیغی خدمات سرانجام دے رہی ہیں مگر ان کی یہ خدمات صرف عورتوں تک محدود کر دی گئی ہیں کوئی عورت سرعام کسی جامع مسجد میں دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کر سکتی کیونکہ پاکستانی مرد حضرات کو یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ مومن عورتیں بھی اللہ کے حکم تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا فریضہ سرعام ادا کریں۔

---

(۱)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء

عورت مرد کی کھیتی

بغیر نکاح کے کسی مرد کا عورت کے ساتھ یا عورت کا مرد کے ساتھ مباشرت کرنا زنا ہے۔ قرآن نے مرد و عورت دونوں کو زنا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،(۱)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ۳۲

"اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے"

قرآن و حدیث میں زنا کو نہ صرف بے حیائی اور بری راہ سے تعبیر کیا گیا ہے بلکہ اس کو حدود میں داخل کر کے کڑی سزائیں مقرر کی گئیں ہیں۔

قانون

حدود آرڈیننس اور قانون شہادت میں عورت کے ساتھ جانبداری : حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے مطابق (۲) زنا کو سرکار کے خلاف جرم سمجھا جاتا ہے۔ شادی کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کو زنا قرار دیا گیا ہے۔ زنا کے جرم میں حد کی سزا یعنی سو کوڑے اور موت کی سزا سنگساری مقرر ہے۔

نافذ العمل حکمنامہ ہائے حدود میں ارتکاب زنا (نفاذ حدود) ارتکاب قذف، (نفاذ حد) حکمنامہ ۱۹۷۹ء اور امتناعی (نفاذ حد) حکمنامہ ۱۹۷۹ء عورتوں کے بارے میں ہے۔ زنا سے متعلق حکمنامہ قانونی طور پر غیر شادی شدہ اشخاص کے درمیان برضا و رغبت جنسی فعل کے ارتکاب کو زنا قرار دیتا ہے اور یوں شادی شدہ اشخاص اور غیر شادی شدہ مجرد اشخاص کے مابین شادی سے باہر جنسی تعلقات کو اسلامی جرم قرار دے دیتا ہے۔ حکمنامہ زنا بالجبر کو بھی اسلامی جرم قرار دیتا ہے۔ ۱۸ سال سے زائد یا سن بلوغت کو پہنچ جانے والے مسلم مرد اور ۱۶

(۱)۔ القرآن، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۳۲

(۲)۔ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء

سال سے زائد یا سن بلوغت کو پہنچ جانے والی مسلم عورت دونوں کے لئے ناجائز جنسی تعلقات اور زنابالجبر کی صورت میں ابتداً سنگساری کے ذریعے سزائے موت کی حد نافذ کی گئی تھی لیکن اب یہ سزا سو کوڑوں پر مشتمل ہے۔ غیر مسلم عورت و مرد پر بھی اسی سزا (سو کوڑوں) کا اطلاق ہوتا ہے۔ زنابالجبر کی صورت میں عدلیہ کی صوابدید کے مطابق سزائے موت سمیت دیگر سزاؤں کا اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔

حکمنامہ قذف کسی باعصمت مرد و عورت پر زنا یعنی ناجائز جنسی تعلقات کے ارتکاب کے جھوٹے الزام کو قابل مواخذہ جرم قرار دے دیتا ہے اور اس جرم کے عوض ۸۰ کوڑوں کی 'حد' مقرر کر دیتا ہے جبکہ اسی جرم کی تعزیراتی سزا دو سال تک کی سزائے قید زیادہ سے زیادہ ۴۰ کوڑے اور جرمانہ ہے۔ ہم نے بعد کی ایک شق میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حکمنامہ قذف میں ایک اور ایسی شق شامل ہے جو عورتوں کے حقوق کو بڑی حد تک متاثر کرتی ہے۔ اگر کوئی شوہر اپنی عورت پر ناجائز جنسی تعلقات کا الزام عائد کرے تو عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ اس الزام سے حلفیہ انکار کرے۔ اگر وہ الزام کو قبول نہیں کرتی تو عدلیہ نکاح کو منسوخ کر دیتی ہے اور عدلیہ کے فیصلے کے خلاف اپیل ممکن نہیں۔ اگر عورت حلفیہ طور پر اس الزام کا انکار کرے تو اس کو اس وقت تک کے لئے قید کر دیا جاتا ہے کہ وہ یا تو حلفیہ انکار کے قانونی طریقے کی تکمیل کرے یا پھر شوہر کے الزام کو تسلیم کرے۔ اگر وہ الزام کو قبول کرتی ہے تو اس کے اوپر ناجائز جنسی تعلقات کی 'حد' کا اطلاق ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر شوہر عورت پر ناجائز جنسی تعلقات کا الزام عائد کرے لیکن اپنے الزام کے حق میں حکمنامے کے تحت حلفیہ اقرار نامہ داخل نہ کرے تو اس کو اس وقت تک کے لئے قید کر دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ درج بالا طریقے کی تکمیل نہ کر لے۔ اگر وہ الزام کی صداقت پر حلف اٹھائے تو نکاح منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس حکمنامے میں ایسی مساوی شقیں موجود نہیں جس کے تحت عورت اپنے شوہر پر ناجائز جنسی تعلقات کا الزام عائد کر کے طلاق حاصل کر سکتی ہو نہ ہی اس حکمنامے کے تحت مرد پر ناجائز جنسی تعلقات کی صورت میں 'حد' کا نفاذ کیا گیا ہے۔

ان ضمناموں کے تحت عائد کی جانے والی سزاؤں کی سختی اور شدت سے قطع نظر عورتوں کے حقوق پر سب سے بھاری بوجھ ان تقاضوں سے پڑتا ہے، جو 'حد' سزاؤں کے اطلاق کے لئے قانون شہادت کے ذریعے عائد کئے گئے ہیں۔ چوری، قذف، شراب نوشی، کے لئے متذکرہ بالا جرائم پر 'حد' کی سزا بھگتنے کے لئے یہ شرط ہے کہ دو بالغ مرد گواہ "جو حق گو ہوں اور گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں"۔ عینی شہادت دیں یا پھر ملزم اعتراف کر لے۔ ناجائز جنسی تعلقات اور زنا بالجبر کی صورت میں "چار ایسے بالغ مسلمان مرد گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو حق گو ہوں، گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں"۔ اور چونکہ اسی جرم کے ارتکاب کے لئے ضروری ہے کہ دخول ہوا ہو اس لئے وہ دخول کے عمل کے عینی شاہد رہے ہوں۔ شراب نوشی کے علاوہ تمام دیگر جرائم کے ضمن میں یہ شرط ہے کہ اگر ملزم غیر مسلم ہے تو عینی شاہد بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام شرائط کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ درج بالا جرائم کے ارتکاب کے وقت چاہے کتنی ہی عورتیں بطور عینی شاہد کیوں نہ موجود رہی ہوں تاہم انکی گواہی 'حد' سزاؤں کے اطلاق کے لئے ناکافی ہو گی۔ البتہ عدالت اپنی صوابدید کے مطابق تعزیری سزا دے سکتی ہے۔ عورت اگر مسلمان ہو تب بھی اس کی شہادت اتنی بے وزن ہے کہ اس کے نتیجے میں کسی غیر مسلمان ملزم کو بھی اس سزا کے لئے واجب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ عدالت عظمیٰ کے ایک سابق جج جناب جسٹس دوراب پٹیل کی نشاندہی کے مطابق، "چونکہ مسلمان عورتوں کو مردوں کی شہادت پر اور غیر مسلموں کو مسلمانوں کی شہادت پر سزا دی جا سکتی ہے جبکہ اس کے برعکس ممکن نہیں اس لئے یہ شقیں امتیاز روا رکھنے کا باعث ہیں۔ تاہم غیر مسلموں سے متعلق شق میں ایک ستم یہ بھی ہے کہ چونکہ ان امتیازی شقوں کی لفظی تفسیر کی جاتی ہے اس لئے غیر مسلمان عورت تو غیر مسلمان کے خلاف شہادت دے سکتی ہے اور اس طرح وہ ایسے حقوق سے آراستہ ہے جو اس کی مسلمان بہن کو حاصل نہیں"۔

ان قوانین پر بہت تنقید اور احتجاج کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں پہلی بار عورتوں اور مردوں کی شہادت کے درمیان تمیز قائم کر کے عورتوں کے خلاف واضح امتیاز

کیا گیا ہے۔ ایسا ہی ایک مقالہ شہادت سے متعلق شرائط کی تشریح کرتے ہوئے یہ مثال دیتا ہے، "ایک مکان میں ایک ماں اور بیٹی رہتی ہیں، چور مکان میں داخل ہوتا ہے اور ماں کے اموال کو چھین لے جاتا ہے۔ وہ پکڑا جاتا ہے اس کی شناخت بھی ہو جاتی ہے لیکن اس پر حد کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا چونکہ جو اشخاص اس ارتکاب جرم کی شہادت کے سکتے ہیں وہ شہادت دینے کے اہل نہیں۔ اگر لڑکیوں کے کسی ہوسٹل میں زنا بالجبر کا ارتکاب ہو تو بھی اس جرم پر ملزم پر 'حد' کی سزا کا نفاذ ناممکن ہوگا چونکہ اپنی جنسی حیثیت کے باعث رہائش پزید تمام افراد شہادت دینے کے اہل نہیں"۔

عورتوں کی شہادت پر عائد پابندیوں کی جڑیں اس قانونِ محمدی اور اسلامی فقہ میں مضمر ہیں، جس کے مطابق عورتیں کمزور کردار اور کمتر حیثیت کی حامل ہیں۔ "حدود و تعزیر کے اسلامی قوانین" کے عنوان سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں اس موضوع کی محتاط تشریح یوں کی گئی ہے کہ، "حقوق عوام کے ذیل میں شامل وہ معاملات جن کے لئے قطعی اور حتمی ثبوت کی فراہمی ضروری ہے، مثلاً ایسے جرائم جن پر حد کی سزا کا اطلاق ہوتا ہو، یہ اسی صورت میں ثابت ہو سکتے ہیں کہ دو مرد گواہوں کی شہادت موجود ہو۔ البتہ پیشہ ور زناکاری کی صورت میں چار عورتوں کی گواہی بھی اس طرز کا قطعی اور حتمی ثبوت فراہم کر دیتی ہے۔ عورت چونکہ کمزور کردار کی حامل ہے اس لئے شہادت کے معاملے میں اس کی اہلیت و حیثیت کو کمتر گردانا جاتا ہے"۔

عورتوں کی تنظیموں نے حدود حکمناموں کی ان شقوں کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں چار درخواستیں دائر کی ہیں جن کے ذریعے 'حد' کی سزاؤں سے متعلق مقدمات میں عورتوں کی شہادت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ ان درخواستوں میں اس دلیل کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ یہ قوانین قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی نہیں بلکہ ان کے احکامات کے منافی ہیں۔ ایک خاتون وکیل لکھتی ہیں کہ، "فی الحقیقت یہ امتیازی شقیں ان فقہی آراء پر قائم ہیں جن کو رسول مبارکؐ کے بعد مرتب کیا گیا تھا"۔

۱۹۸۳ء میں داخل کی جانے والی یہ درخواستیں ابھی منتظر سماعت ہیں۔

مظلوم پاکستانی عورت کی حالت زار

عورت کے ساتھ زنابالجبر کے واقعات : جانوروں اور حیوانوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں ایک خاص موسم آتا ہے جس میں یہ ایک دوسرے کی رضا اور رغبت سے جنسی عمل کرتے ہیں مگر ان میں زبردستی کا عمل نہیں ہوتا لیکن انسانوں کے درمیان یہ قید نہیں۔ مرد جب چاہے اور جس وقت چاہے بلکہ جہاں چاہے عورت کے ساتھ زبردستی مباشرت کر سکتا ہے حالانکہ یہ زنابالجبر کے زمرے میں آتا ہے یا یوں کہئے کہ یہ وحشیانہ بربریت ہے۔ بہت سے مرد مل کر اگر ایک عورت کے ساتھ زنابالجبر کریں تو اسے عمل امتیاز یا مردانگی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عورت کو خوف زدہ کرنا، اسکے ساتھ زبردستی کرنا اور عورت کے چیخنے چلانے کے بوجود اس کے ساتھ زبردستی مباشرت کرنا مرد حضرات اسے اپنی مردانگی اور فتح سے تعبیر کرتے ہیں۔ عورت کی مرضی کا تو کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نسل در نسل اس حق سے محرم ہوتی چلی آرہی ہے۔ جنسی فعل میں مرد عورت کو اپنی ملکیت اور کھیتی سمجھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کھیتی میں داخل ہونا اپنا حق تصور کرتا ہے۔

مینڈا سائیں کی مصنفہ تہمینہ درانی کا رونگھٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کا انکشاف : غلام مصطفیٰ کھر جو کہ پاکستان کا ایک بہت بڑا مشہور سیاست دان، سابق گورنر پنجاب، سابق وزیر اعلیٰ پنجاب، سابق مرکزی وزیر اور نہ جانے کیا کیا، کی سابقہ بیوی تہمینہ درانی اپنی خود نوشت "مینڈا سائیں" میں "عورت مرد کی کھیتی" کی ایسی سچی تصویر پیش کرتی ہیں کہ اس کو پڑھنے کے بعد مزید کسی مثال کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ لکھتی ہیں کہ (ا) وہ غلام مصطفیٰ کھر کے رشتہ دار مرد و خواتین کے ہمراہ راولپنڈی جیل میں ملنے گئی۔ جس کمرے میں وہ بند تھا اس کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے نہیں تھے بلکہ جگہ خالی تھی البتہ دروازے پر برائے نام ایک پردہ لٹک رہا تھا۔

(ا)۔ تہمینہ درانی، مینڈا سائیں، مطبوعہ انتخاب جدید پریس ایبٹ روڈ لاہور

مصطفیٰ کھر نے اپنے رشتہ داروں کو کمرے سے باہر جانے کیلئے کہااور تہمینہ کو روک لیا۔ تہمینہ کہتی ہیں کہ وہ اپریشن کی وجہ سے نہ صرف شدید بیمار بلکہ ڈاکٹری مشورہ کے مطابق پرہیز میں بھی تھی مگر اس کے خاوند نے اس کے انکار اور منت سماجتوں کے بوجود اس کے ساتھ زبردستی مباشرت کی اور وہ خاوند کے اس ظلم وبربیت کے رویہ کی وجہ سے متنفر ہوگئی اس نے طلاق لینے کا فیصلہ کرلیااور آخر کار علیحدگی ہوگئی۔ تہمینہ درانی نے اپنی خودنوشت 'مینڈا سائیں' میں واقعہ کی اس انداز سے منظر کشی کی ہے کہ انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور قاری سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ جس معاشرے کے پڑھے لکھے لوگوں کا یہ حال ہے وہاں کے ان پڑھ اور جاہل لوگوں کا رویہ خواتین کے ساتھ کیسا ظالمانہ ہوگا۔ اصلی کتاب انگریزی میں MY FEUDAL LORD کے نام سے شائع ہوئی تھی جس کا بعد میں مینڈا سائیں کے نام سے اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ یہ کتاب جیتی جاگتی اور سچی ظلم کی داستان ہے جس میں ایک خونخوار بھیڑیئے کو انسان کی شکل میں درندگی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب انگریزوں نے بھی پڑھی ہوگی............ وہ کیا سوچتے ہوں گے کہ مسلمان مرد اتنا بڑا ظالم اور پاکستانی مسلمان عورت اتنی مظلوم ہوتی ہے ؟

پرانے وقتوں میں جنگوں اور لڑایوں میں قیدی عورتوں کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں عورتوں کی اجتماعی عصمت دری آج کے دور میں بھی جاری ہے۔ سابق مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں پاکستانیوں نے وہاں کی مسلمان عورتوں کے ساتھ ۱۹۷۱ء میں جو سلوک کیا تھا جنرل نیازی اس کے نہ صرف چشم دید گواہ ہیں بلکہ یہ کارنامہ ان کی کمان کے دوران انجام دیا گیا تھا۔ بنگلہ دیش نے لاکھوں لاوارث بچے دوسرے ملکوں کو ایکسپورٹ کیئے۔ بوسنیا میں کیا ہوا دنیا بھر کے لوگ اس پر گواہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زنابالجبر کا ارتکاب کرنے والے مرد ہوتے ہیں یا عورتیں ؟ جواب ایک ہی ہے کہ ہر زمانے میں، ہر جگہ اور جہاں کہیں بھی زنا کا ارتکاب ہوا اس میں مرد کی بربیت کا عمل دخل رہا۔

پاکستان میں زنابالجبر کی اس سے گھناؤنی صورت اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایسے ہزاروں واقعات دیکھنے اور سننے میں آچکے ہیں کہ ایک بے ہوش عورت کے ساتھ اجتماعی جنسی حملے

کیے گئے اور پھر اس مظلوم عورت کو اٹھا کر کسی نہر کے کنارے یا غیر آباد جگہ پر پھینک کر ملزم بھاگ گئے۔ عموماً عورت کے ساتھ اجتماعی زیادتی کرنے کے بعد اسے قتل کر کے اس کی لاش کو کسی قبرستان، کھیت، ویران جگہ یا جنگل میں پھنک دیا جاتا ہے یا پھر نہر یا دریا میں بہا دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ عورت کے ساتھ زبردستی جنسی آگ بجھانے کے بعد اس کو قتل کر دیا جاتا ہے اور پھر بوری میں بند کر کے کسی مکان کے صحن میں یا ویران کھیت میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں پہلے یہ قانون تھا کہ جنسی عمل رضامندی سے کیا گیا ہو تو قانون کی نظر میں یہ جرم نہیں تھا البتہ بغیر رضامندی کے اس کو جرم قرار دیا جاتا تھا مگر شرعی قوانین اور حدود آرڈیننس کے نفاذ کے بعد عورت اور مرد دونوں ملزم ٹھہرائے جاتے ہیں (۱) اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی ہے۔ لیکن عموماً مرد حضرات عدالتوں میں یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ عورت نے خود انہیں دعوتِ گناہ دی تھی۔

سوتیلے باپ، چچا، ماموں، بھائیوں، رشتہ داروں اور محلے داروں کا نابالغ بچیوں کی عصمت دری کے واقعات عام ہیں۔ عدالت میں ایسے کیس بھی پیش ہوتے رہتے ہیں جن میں باپ اپنی بیٹی کی عصمت دری کرتا ہوا پکڑا گیا۔

عورتوں کے ساتھ زبردستی جنسی ملاپ کے واقعات: پاکستان میں عورتوں کے ساتھ ذزردستی جنسی ملاپ کے روزانہ ہزاروں واقعات ہوتے ہیں لیکن اس گناہ کبیرہ کو گندگی کہہ کر پھیلایا نہیں جاتا بلکہ دبا دیا جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے شہروں میں حاملہ ہو جانے والی عورتیں اسقاطِ حمل کیلیئے ڈاکٹروں سے رجوع کرتی ہیں جو منہ مانگے دام وصول کرتے ہیں۔ دیہاتوں اور قصبوں میں غیر سائنسی طریقے سے ان ٹرینڈ دائیاں یہ کام سرانجام دیتی ہیں اس دوران سیکڑوں عورتیں ہلاک بھی ہو جاتی ہیں اور جو بچ جاتی ہیں انکی بچہ دانیاں (اووریز) غیر سائنسی عمل کی وجہ سے دوبارہ بارآور ہونے کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہو جاتی ہیں۔ ایسی عورتوں کا معاشرے میں جو حال ہوتا ہے وہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کوئی مرد کسی بانجھ

(۱)۔ تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰

عورت سے شادی کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتا۔

اسلام، قانون اور رسم ورواج میں زنا کو جرم قرار دیا گیا ہے اور مجرم کو سخت ترین سزا دی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستانی عورت کو طوائف کس نے بنایا؟ طوائف جس گھر میں رہتی ہے عموماً اس گھر کا انتظام کس کے ہاتھ میں ہوتا ہے؟ طوائف کے پاس عورتیں جاتی ہیں یا مرد؟ ان تمام سوالات کا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ عورت کو طوائف مرد نے بنایا اسے تحفظ فراہم کیا اور پھر اسے کمائی کا ذریعہ بنا کر دوسرے مردوں کو اس کے پاس آنے کی اجازت دی۔

جسم فروشی کے اڈے اور ان کے سرپرست مرد: پاکستان میں مردوں کی حکومت ہے۔ پاکستان کا سربراہ مملکت صدر پاکستان مرد ہے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ میں مردوں کی اجارہ داری ہے۔ قانون کی محافظ پولیس میں مردوں کی اکثریت ہے۔ مختصراً یہ کہ پاکستان میں تمام اختیارات مردوں کے پاس ہیں۔ کیا ہم ایمانداری سے یہ بتا سکتے ہیں کہ عورت کو جرائم کی دلدل میں پھنسانے والے مردوں کے خلاف آج تک کیا کارروائی کی گئی؟ کوئی بھی طوائف یقیناً کسی کی بیٹی ہے، کسی کی بہن ہے، کسی کی بیوی یا کسی کی ماں ہے۔ اسلام اور قانون کی رو سے بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ اگر کوئی عورت معاشی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے طوائف کا پیشہ اپنانے پر مجبور ہے تو اس میں اس مرد کا قصور ہے جس کے ذمے اس کی معاشی ضروریات پورا کرنے کی ذمہ داری تھی۔ کوئی عورت شاذونادر ایسی ہوگی جو کسی مرد کو پیسے دیکر اپنے پاس رکھے اور زناکاری کی مرتکب ہو مگر اکثروبیشتر مرد حضرات عورتوں کے پاس جاتے ہیں ان کو رقم دیکر ان کے ساتھ زناکاری کرتے ہیں۔ قصوروار زیادہ کون ہے مرد یا عورت؟ یقیناً مرد بڑا قصوروار ہے اس لئے کہ یہ مرد حضرات ہی ہیں جو عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور انہیں ایک معزز خاتون سے طوائف بناتے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد مخصوص علاقوں میں عورتوں کو ناچ گانوں کی اجازت دی گئی اور ناچ گانے کے رسیا مرد حضرات ان مخصوص جگہوں پر ناچ گانے کے ساتھ ساتھ ان

عورتوں کو جسم فروشی پر بھی مجبور کرتے رہے۔ ان لوگوں میں معزز شہری، تاجر اور سیاست دان بڑے پیمانے پر ملوث تھے۔

انسانی حقوق کمیشن کی رپورٹ کے مطابق (۱) صرف لاہور کی ہیرامنڈی میں تین ہزار عورتیں جسم فروشی کا کاروبار کرتی تھیں، اسی طرح کراچی، حیدرآباد، راولپنڈی، فیصل آباد اور اوکاڑہ کی ہیرامنڈیوں میں ہزاروں خواتین کی عصمتیں لوٹی جاتی تھیں۔ عزتیں لوٹنے والے اور مجرموں کو تحفظ فراہم کرنے والے سب کے سب مرد تھے۔

ہفت روزہ چٹان کے مدیر، مشہور شاعر، کالم نگار اور شعلہ بیان مقرر اور علامہ عطاء اللہ شاہ بخاری کے شاگرد عزیز جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم اپنی کتاب "اس بازار میں" لکھتے ہیں (۲) "ہر رات دس بجے کے بعد لاہور کے قلعہ کی سیڑھیوں، شاہی مسجد کی پیٹھ اور علامہ اقبالؒ کی قبر کے پاس جو پیکارڈ کاریں کھڑی ہوتی ہیں وہ ان ہی شبینہ مہمانوں کی ہوتی ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ عنانِ اقتدار ہے۔ مذہب ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے پاس دولت نہیں ہوتی اور گناہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ گناہ نام ہے صرف ہمارے اپنے احساسات کے نشیب و فراز کا، کیا دنیا میں سب سے بڑا گناہ صرف عورت کا عصمت بیچنا ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی قول یا فعل گناہ کی زد میں آتا ہے؟ انسان انسان کا خون چوسے تو وہ سیاست ہے، عوام خواص کو لوٹ لیں تو وہ دنگا ہے، خواص عوام کو بھڑا دیں تو وہ جنگ ہے، ملا ضمیر بیچے تو وہ مصلحت ہے، صوفی مداہنت کام لے تو وہ ریاضت ہے، لیڈر قومی سرمایہ ہڑپ کر لیں تو وہ خدمت ہے، لیکن عورت بالاخانے پر آبیٹھے تو سوختنی اور کشتنی ہے، گنہ گار ہے، فاحشہ ہے، چھنال ہے، چھلاوا ہے، الغرض گناہ کا ایک ایسا پیکر ہے جس کی نسانیت مر چکی ہے!

عورت کی عصمت واقعی بڑی شے ہے، اتنی بڑی شے کہ دنیا میں کوئی شے بھی اس کی ہم مرتبہ نہیں لیکن مردوں نے ہمیشہ دھات اور کاغذ کی فوقیت کا اس کے مقابلہ میں چرچا کیا

(۱)۔ انسانی حقوق کمیشن پاکستان، رپورٹ ۱۹۹۵

(۲)۔ آغا شورش کاشمیری، اس بازار میں

ہے۔آپ ایک عورت سے اس کے حقوق تسلیم کئے بغیر کھیلتے ہیں۔اس کی کوئی قانونی مسئولیت آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کو شکایت ہے کہ وہ آپ کی جیب سے معاوضہ کیوں لیتی ہے ؟ کبھی کسی مرد نے سوچاکہ وہ کیا دیتااور کیا لیتا ہے ؟ ہر طوائف کئی کئی خاندانوں کی "امانت دار" ہے۔اس کی گود میں جو بچہ یا بچے ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی معزز باپ ہی کی اولاد ہوتے ہیں،ان کی مائیں ان کے باپوں کو خوب جانتی ہیں اور ان کے باپ بھی انہیں جانتے ہیں لیکن سرکار کے ہاں ولدیت کے خانہ میں ماں ہی کا نام لکھا جاتا ہے۔

یہاں کوئی شخص اپنی جائز کمائی نہیں لٹاتا،اور حلال کی کمائی کبھی سینکڑوں سے آگے بڑھ نہیں پاتی، جو لوگ یہاں آتے ہیں ان کے روپیہ پر ان کی مہر ملکیت ضرور ہوتی ہے، لیکن ان کا روپیہ، ان کا روپیہ نہیں ہوتا وہ یا لوٹ کا ہوتا ہے یا چور بازاری کا،یا غریب سے کمایا ہوا اور یا کسی نہ کسی واسطہ سے ہتھیایا ہوا...... لٹنا، لٹانا، ہارنا، گنوانا،اس قسم کے جتنے لفظی مغالطے ہیں وہ سب مردوں کی ذہنی فسطائیت کا نتیجہ ہیں۔ کوئی چیز حرام ہے تو وہ لوٹ کا روپیہ ہے نہ کہ عورت کی عصمت! مرد کیا دیتا ہے سکہ اور عورت کیا دیتی ہے عصمت ؟ عجیب بات ہے کہ عصمت پر حرام کی مہر لگ جاتی ہے اور سکہ حلال کہلاتا ہے۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

"پنجابی خانہ بدوش قسم کے عیاش ہیں، ان کا متوسط کاروباری طبقہ جسم وآواز کی عارضی عیاشی کرتا ہے۔ سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں کی عیاشی ساون بھادوں کی ہے لیکن سرحد کے بعض خوانین سدابہار عشق کے قائل ہیں ان کے ہاں دولت پھٹی پڑتی ہے۔ یہ لوگ نہ صرف کئی کئی بیویاں کرتے ہیں بلکہ ایک آدھ رنڈی کو گھر میں ڈالنا بھی جزو زندگی سمجھتے ہیں، ان کا کاٹا ہوا پانی نہیں مانگتا۔ پنجابی کا عشق بھنورے کا عشق ہے، سندھی کا عشق مکھی کا عشق ہے اور پٹھان کا عشق چمگادڑ کا عشق ہے"۔

ہیرہ منڈی لاہور کی اچھو بیگم اور ظلم کی داستان : ہیرہ منڈی لاہور کی (۱) ایک خاتون اچھو بیگم کے ساتھ کپڑے کے ایک تاجر، جس نے کئی حج کئے تھے اور دو خوبصورت

(۱)۔آغا شورش کاشمیری،اس بازار میں

مسجدیں بھی تعمیر کروائی تھیں، ناجائز تعلقات باقاعدگی سے جاری رہے یہاں تک کہ وہ دو بیٹیوں اور تین بیٹوں کا باپ بھی بن گیا مگر اس مرد نے نہ ہی اچھو بیگم کو اپنی بیوی ظاہر کیا اور نہ ہی اس کی اولاد کو اپنی اولاد ہونے کے حقوق دیئے جس کی وجہ سے یہ چھ افراد کا گھرانہ آج بھی ہیرا منڈی لاہور میں ناجائز جنسی کاروبار سے پیٹ کی آگ بجھا رہا ہے۔

عورتوں کے ساتھ ظلم کی داستانیں : ایک مقامی اخبار کی رپورٹ کے مطابق (۱) ڈیفنس کراچی میں نائیٹ کلب سے چار مرد اور آٹھ عورتیں فحاشی کے الزام میں گرفتار کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق اڈے کے مالک قاسم نے بتایا کہ سی ویو اپارٹمنٹ میں فحاشی کا اڈا گزشتہ سات ماہ سے چل رہا ہے لاہور میں ایک معذور شخص منیر پنجاب کے مختلف علاقوں میں جا کر وہاں سے مجبور لڑکیوں کو راتوں رات امیر بننے کے خواب دکھا کر لڑکیوں کو کراچی میں قاسم دلال کے پاس پہنچاتا ہے۔ منیر کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ مختلف علاقوں میں جا کر کرائے کے مکان حاصل کرتا ہے اور اس علاقے میں غریب خاندانوں میں ان کا ہمدرد بن کر سلام دعا بڑھا لیتا ہے اور خود کو نیک آدمی ظاہر کر کے اسی گھر میں موجود جوان لڑکیوں سے تعلقات بنا کر ان لڑکیوں کو امیر بننے کے سپنے دکھاتا ہے اور بعد میں نوکری دلوانے کے بہانے ان کے والدین سے اجازت طلب کر کے ان لڑکیوں کو کراچی میں قاسم نامی دلال کے پاس بھیج دیتا ہے۔ دلال قاسم کے کراچی کے بااثر افراد سے تعلقات ہیں۔ قاسم دلال کے پاس ۳ موبائل فون سیٹ ہیں جن کے علیٰحدہ علیٰحدہ نمبر ہیں لڑکیوں کے ہمراہ پکڑے جانیوالے ارشد کے مطابق وہ فیصل آباد سے اپنے دوست عبدالمجید کے ہمراہ قاسم کے ڈرائیور ارشد سے اپنی ادھار کی رقم وصول کرنے فلیٹ آیا تھا کہ پولیس نے چھاپہ مار دیا، انہوں نے بتایا کہ ارشد نے انہیں آسرا دیا تھا کہ میں رقم دینے کے بجائے دونوں کو دو لڑکیاں ایک رات کے لئے دے دوں گا ارشد کی غیر موجودگی کے باعث قاسم نے انہیں فلیٹ میں بلایا تھا جبکہ گرفتار ہونے والے نوجوان محمد فاروق کے مطابق وہ گرفتار ہونے والی ایک طوائف نازیہ کا بھائی ہے ملزمان نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ ڈیفنس اور کلفٹن کے بنگلوں میں ۸ انائٹ

(۱)۔ روزنامہ قومی اخبار کراچی، ۳ نومبر ۱۹۹۹ء

کلب موجود ہیں۔ جہاں روزانہ محفلیں سجتی ہیں۔ ملزمان نے دوران تفتیش یہ انکشاف بھی کیا کہ وہ باقاعدگی سے پولیس افسران کا حصہ انہیں پہنچاتے تھے۔ فحاشی کے اڈے سے گرفتار ہونے والی بیوہ عورت ناہید نے بتایا کہ وہ فیصل آباد کی رہنے والی ہے ۳ سال قبل اس کے شوہر سجاد کا ٹریفک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا بھری جوانی میں بیوہ اور بے یارومددگار ہونے کے بعد اپنے ڈیڑھ سالہ بچے کو پالنے کے خاطر جسم فروشی کا دھندہ شروع کیا۔ لاہور چنگی پھاٹک کی رہنے والی نادیہ نے بتایا کہ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے وہ ۳ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہے اس لئے پورے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مجھ پر تھی گھریلو حالات سے تنگ آکر فیکٹری میں ملازمت کرنے کے بہانے سے کراچی آگئی اور ۳ ہفتے سے جسم فروشی کا دھندہ کر رہی ہوں اور اس دوران اپنے گھر ۱۰ ہزار روپے کا ڈرافٹ بھی بھیج چکی ہوں۔ صوبیہ کے مطابق وہ گنڈا سنگھ پتوکی کی رہنے والی ہے ہمارے گھر پر ہمارے دور کے رشتہ دار منیر لنگڑا کا آنا جانا تھا اس نے مجھے دو تین بار اچھے اچھے سوٹ لا کر دیئے اور کہا کہ میری بیٹی تو فلمی ہیروئن لگتی ہے اگر تو کراچی چلے تو وہاں تجھ جیسی لڑکیوں کی بہت قدر ہے وہاں ڈرامے میں کام ملے گا اور چند دنوں میں تو لکھ پتی بن جائے گی زمیندار کا قرضہ بھی اتار دینا اور اپنے گھر کی چھت بھی پکی بنوا لینا اگر تم نے قرضہ ادا نہ کیا تو تمہارا زمیندار تمہیں قتل کر دے گا میں چاچا منیر کی باتوں میں آگئی اور اپنی دو سہیلیوں عینی اور فوزیہ کو بھی اپنے ساتھ کراچی چلنے پر مجبور کر لیا کیونکہ وہ بھی بہت غریب تھیں چاچا منیر ایک ہفتے قبل ہمیں کراچی لے آیا ابھی تو زمیندار کے قرضے کی ایک قسط بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ پولیس نے ہمیں گرفتار کر لیا کرن کا کہنا ہے کہ اس کا والد مجید وڈیو گیم کی دکان چلاتا ہے بعد ازاں منیر نامی دلال میرے والد کو لالچ دے کر مجھے کراچی لانے میں کامیاب ہو گیا اور یہاں مجھ سے جسم فروشی کا دھندہ شروع کروا دیا۔ عاصمہ نے بتایا کہ اس کا والد ٹھیکیدار اللہ دتہ دلال منیر احمد کا دوست تھا منیر احمد بڑی چالاکی سے میرے باپ کی دوسری شادی کروا کے ہمارے خاندان کو فاقہ کشی پر مجبور کر دیا بعد ازاں منیر نے میری ماں کے کان بھرے کہ تیرے گھر میں تو نوٹ چھاپنے والی مشین موجود ہے اور تو فاقے کر رہی ہے اسکو کراچی بھیج دے ۵۰ سے ۶۰ ہزار روپے ماہانہ کما کر دے گی۔

نازیہ جو اپنے بھائی فاروق کے ساتھ پکڑی گئی اس کا کہنا ہے کہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن اس کو لاہور کی حنا نامی آنٹی نے طوائف بننے پر مجبور کر دیا گرفتار ہونیوالی تمام لڑکیوں میں سے کسی ایک لڑکی نے بھی یہ نہیں بتایا کہ وہ اپنی مرضی سے جسم فروشی کرتی ہے۔

کھاتے پیتے گھرانے کے افراد عورتوں کو بغیر نکاح کے "کیپ" یا "رکھیل" کے نام سے ایک الگ تھلگ جگہ پر رکھتے ہیں جہاں چوری چھپے جاکر عیاشی کرتے ہیں۔

مرزا ہادی رسوا نے اپنے ناول امراؤ جان ادا میں عورت کی بے بسی اور مرد کے ظلم کی داستان جس پیرائے میں پیش کی ہے اس سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہوتی ہے کہ (۱) عورت کو طوائف بنانے میں صرف مرد کا ہاتھ رہا ہے۔ بدکردار عورتیں طوائف کے روپ میں سب کو نظر آتی ہیں مگر بدکردار اور فحاشی پھیلانے والے مردوں کی کوئی الگ ہیرامنڈی قائم نہیں کی گئی۔

عصمت فروشی کی مختلف وجوہات اور انکے تدارک پر بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا اور نہ ہی یہ کاروبار ختم ہوا کیونکہ اس کاروبار کی سرپرستی مردوں نے اپنے ذمے لے رکھی ہے اور جب تک مرد موجود ہیں یہ کاروبار چلتا رہے گا۔

اگر پاکستان کے تمام مرد غیر عورتوں کے پاس جانا چھوڑ دیں، زناکاری سے تائب ہو جائیں تو عورت، طوائف سے معزز خاتون کا مقام حاصل کر سکتی ہے۔

---

(۱)۔ مرزا ہادی رسوا، امراؤ جان ادا

عورت پر تشدد

بعض علمائے کرام نافرمانبردار عورتوں کو مارنے کی اجازت دیتے ہیں اور وہ قرآن حکیم سے استدلال کرتے ہیں جو اس طرح ہے،(۱)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ج فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۳۴

اس آیت میں "وَاضْرِبُوْهُنَّ" کے معنی علمائے کرام نے اپنی مرضی سے کہیں "مارو ان کو" کہیں "مار پیٹ کرو ان کی" اور کہیں "زدوکوب کرو ان کو" کئے ہیں جسکی وجہ سے مرد، عورتوں پر صدیوں سے مظالم ڈھا رہے ہیں اور عورت کو مارنا اپنا اسلامی حق تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کے مفہوم کو آسانی سے سمجھنے کیلئے قرآن حکیم کے مختلف تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں،(۲)

"مرد حاکم ہیں عورتوں کے بہ سبب اس کے کہ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے۔ پس نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہیں، نگہبانی کرنے والی ہیں، بیچ غائب کے ساتھ محافظت اللہ کے اور جو عورتیں کہ تم ڈرتے ہوئے سرکشی ان کی سے، پس نصیحت کرو ان کو اور چھوڑو ان کو بیچ خوابگاہ کے اور "مارو ان کو" پس اگر کہا مانیں تو مت ڈھونڈو اوپر ان کے راہ، تحقیق اللہ تعالیٰ بلند بڑا ہے"۔

اسی آیت کا ترجمہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں اس طرح کیا ہے،

---

(۱)۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۴

(۲)۔ شاہ رفیع الدین، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۴

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیٰحدہ رہو اور "مارو" پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے(۱)۔

مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں،(۲)

"مرد عورتوں کے سرپرست ہیں، بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور بوجہ اس کے انہوں نے اپنے مال خرچ کئے۔ پس جو نیک بیبیاں ہیں، وہ فرمانبرداری کرنے والی، رازوں کی حفاظت کرنے والی، ہوتی ہیں۔ بوجہ اس کے خدا نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے اور جن سے تمہیں سرتابی کا اندیشہ ہو، تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو اور "ان کو سزا دو" پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند اور بہت بڑا ہے"۔

مولانا فتح محمد صاحب جالندھری نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے،(۳)

"........... اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو "زدوکوب کرو" اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بے شک خدا سب سے اعلیٰ اور جلیل القدر ہے"۔

ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی نے اس آیت کا ترجمہ فیوض القرآن میں اس طرح کیا ہے،

---

(۱)۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، صفحہ نمبر ۳۴۹

(۲)۔ مولانا اشرف علی تھانوی، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۴

(۳) مولانا فتح محمد جالندھری، سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۴

"مرد عورتوں کے محافظ ہیں(ان کی معیشت کے ضامن، ان کی حفاظت ونگہبانی کرنے والے، ان کو معاشرہ میں عزت دینے والے، خود نظم وضبط کے پابند رہنے والے، ان کو اپنا بنانے والے، خود ان کے ہو کر رہنے والے ہیں یہی ان کی برتری کا سبب ہے) اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر بڑائی دی ہے (بعض باتوں پر بعض کو نفضیلت ہے مثلاً مرد کے قوی مضبوط، علم و عمل کی صلاحیتیں زیادہ ہیں۔ عورت میں محبت، رحم دلی، لطافت، نزاہت جیسی صفات کی فراوانی ہے۔ لیکن دنیاوی کاروبار میں مجموعی حیثیت سے فضیلت مرد کو ہے)۔ اور یہ اس واسطے ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں (کی ضروریات اور آرام) پر خرچ کرتے ہیں پس نیک عورتیں (نیک بیویاں) اطاعت شعار، (خاوند کی) غیر موجودگی میں (بھی ان کی) عزت وآبرو کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (پاک دامن، پاک دل ہوتی ہیں یہ ان پر اللہ کا کرم ہے) یہ نتیجہ ہے اللہ کی حفاظت کا اور جن عورتوں سے تم کو کسی بدخوئی کا ڈر ہو تو ان کو پہلے نرمی سے سمجھاؤ اور (اگر پھر بھی نافرمانی کا ظہور ہو تو) خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو (یہ بھی بڑی سزا ہے) اور (اگر پھر بھی ان کی خوئے بد نہ بدلے تو) انہیں "تنبیہ (تادیب)" کرو۔ پھر اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو (خواہ مخواہ) ان پر (ظلم کرنے کی) راہ نہ تلاش کرتے رہو۔ بے شک اللہ سب پر بڑا غالب ہے (بڑا زبردست ہے اس سے ڈرتے رہو اس کی کبریائی کا تصور کرو اپنی بڑائی کا خیال چھوڑ دو)"(۱)۔

اب ان تمام تراجم کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سب سے بہتر ترجمہ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی کا ہے۔ انہوں نے "وَاضْرِبُوْهُنَّ" کا ترجمہ "تنبیہ یا تادیب" سے کیا ہے تنبیہ یا تادیب میں مار پٹائی کا تصور نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ترجمہ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کا ایسا ترجمہ ہے جو اللہ کی منشاء کا درست مفہوم دیتا ہے۔

عربی لغت میں "ضَرَبَ" کے متعدد معانی ہیں اور جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی و مفہوم ہوں تو اس لفظ کا ترجمہ کرتے وقت سیاق و سباق کے حوالے سے مناسب معنی اختیار کرنے چاہیئے۔ سید مرتضیٰ الحسن الزبیدی "ضَرَبَ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے

(۱)۔ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی، فیوض القرآن، صفحہ نمبر ۱۸۲

ہیں (۱) اگر اس لفظ "ضَرَبَ" کو قانونی مفہوم میں استعمال کیا جائے گا تو اس کے معنی مختلف ہو جائیں گے مثلاً ضرب القاضی علی یدہ ای حجرہ (قاضی نے اس کے ہاتھ پر مارا یعنی اسے روکا) یہاں پر "ضَرَبَ" کے معنی مار کٹائی نہیں بلکہ روکنے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کی کتاب "مفردات" میں "ضَرَبَ" کو ایک عربی محاورہ میں اسطرح پیش کیا ہے "ضَرَبَ اَلفحلُ النَاقَۃَ" (اونٹ نے اونٹنی سے جفتی کی)۔ یہاں "ضَرَبَ" کے معنی جفتی کے ہیں۔ اگر اس معنی کو وَاضْرِبُوھُنَّ کیلئے استعمال کیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا "زن و شو کے تعلقات پیدا کرو" یا پورا ترجمہ اس طرح کیا جاسکتا ہے،

"اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا ڈر ہو تو تم انہیں تنبیہ کرو یا انہیں ان کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو اور اگر باز نہ آئیں تو انہیں گھروں سے باہر جانے سے روک دو"۔

"وَاضْرِبُوھُنَّ" کی تشریح کرتے ہوئے "قرآنی فیصلے" کے مؤلف لکھتے ہیں (۲)

"قرآن کریم نے متعدد جرائم کی سزا تجویز کی ہے مثلاً سارق (چور) کی سزا کے سلسلہ میں فقط اتنا کہا ہے کہ ...... فَاقْطَعُوا اَیْدِیَھُمَا، چور، عورت ہو یا مرد، ان کا قطع ید کردو۔ یا زانی اور زانیہ کی سزا کے سلسلہ میں یہ کہا ہے ..... فَا جْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُما مِائَتَہ جَلدۃً...... زانی عورت ہو یا مرد، انہیں سو کوڑے مارو۔ بہتان تراشی کی سزا کے سلسلہ میں بھی...... فَاجْلِدُوْھُمْ کہا ہے، یعنی انہیں اسی کوڑے لگاؤ۔ لواطت یا سحاقت کے ضمن میں کہا ہے...... فاذ ھما انہیں مناسب سزا دو جرم فحاشی کے سلسلہ میں کہا ہے...... فَاَمْسِکُوْھُنَّ انہیں پابند مسکن کردو۔ کیا آپ سمجھے ہیں کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَتُہ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کو تم چوری کرتے دیکھو اس کا ہاتھ کاٹ دیا کرو؟ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عدل کا اصول بیان کرتا ہے۔ نظام عدل کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔

کسی شخص کا کسی کو مارنا پیٹنا...... خواہ جرم کی پاداش ہی میں کیوں نہ ہو...... قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ اگر آپ (مثلاً) کسی جیب تراش کو پکڑ کر پیٹنے لگ جاتے ہیں اور اس سے

(۱)۔ پرویز، قرآنی فیصلے، جلد دوم، صفحہ نمبر ۲۲۰ تا ۲۲۱

(۲)۔ سید مرتضی الحسن الزبیدی

اس کا دانت ٹوٹ جاتا ہے، تو اسے اگر جیب تراشی کے جرم کی سزا ملے گی تو آپ کو اس ضرب خفیف یا شدید کے جرم کے ارتکاب کی سزا ملے گی۔ اس لئے کہ آپ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ آپ کا کام تھا کہ اس جیب تراش کو حوالہ پولیس کرتے۔

جب عام قانون یہ ہے تو بیویاں بیچاری ہی ایسی جنس مظلوم ہیں کہ خاوندوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ

قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں اور انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیں۔ لہٰذا، جس طرح فَاقْطَعُوْ؟۔ یا۔ فَاجْلِدُوْ کے معنی یہ نہیں کہ تم ان کے ہاتھ کاٹ دو یا انہیں کوڑے مارنے لگ جاؤ، بلکہ یہ معنی ہیں کہ عدالت انہیں اس قسم کی سزا دے۔ اسی طرح سورۂ نساء میں واضر بوھن کے معنی بھی یہ نہیں کہ تم اسے خود ہی مارنے لگ جاؤ۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ عدالت مجازاً انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔

"بیوی کی ٹھکائی" کے مؤلف محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ نے وَاضْرِبُوْھُنَّ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے، (۱) "اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کشیدگی اور میاں بیوی کے درمیان کھنچاؤ کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ کار رہتا ہے ہیں جو تدریجی انداز کا ہے تاکہ وقتی کھنچاؤ اور ناآمادگی میل محبت اور ارتباط و اختلاط میں تبدیل ہو جائے۔ غور کیجئے جو احکام نازل کئے گئے ہیں ان میں بڑا توازن ہے اور نفس انسانی کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ ایک دوسرے کا خیال رکھنے سے اور باہمی موافقت و مصالحت سے زندگی میں نکھار پیدا ہو گا۔ اسی لئے سب سے پہلے مردوں کے مقام و مرتبہ کا حال بیان کیا گیا ان کی ذمہ داری کا اعلان کیا گیا بیوی کی خوبیوں کو بیان کیا گیا دونوں کی فضیلتوں کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ اس کے بعد کشیدگی کو دور کرنے کے لئے رہبری فرمائی گئی کہ باتیں کرو اچھی اچھی، دل پر اثر کرنے والی اور خواب گاہوں میں ایسی فضاء پیدا کرو کہ طبیعت خود ایک دوسرے کی طرف مائل ہو۔ یہ تمام احکام مرد کو دیئے جا رہے ہیں۔ غور کرنے کی یہی بات ہے کہ مرد پر کتنی بھاری ذمہ داری عائد کی جا رہی ہے ان تمام احکام کا مرد کو مکلف کیا جا رہا ہے تاکہ بیوی خود میاں کی طرف راغب ہو

(۱)۔ محمد انیس الرحمٰن ایڈووکیٹ، بیوی کی ٹھکائی

جائے۔

یہ اسی وقت ممکن ہے جب میاں بیوی دونوں کی گرفت اپنے جنسی تقاضوں پر مضبوط ہو۔ کشیدگی کی صورت میں تعلقات زن و شو میں توقف ممکن ہے۔ اسی لئے اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جنسی عمل میں توقف پیدا کر لینے سے روابط میں ایک لطافت اور طبیعت میں ایک نفاست پیدا کر لینے کے بڑے امکانات ہیں اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ خواب گاہ میں میاں بیوی دونوں کی موجودگی لازمی ہے ورنہ وہ فضاء پیدا نہیں ہو سکتی جو خالق قانون کی مراد و منشاء ہے اور اسے بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ مرد کی خواہش جلد بھڑک اٹھتی ہے مگر عورت فطرۃً دیر میں ابھرتی ہے۔

جہاں اس قسم کے احکام نازل ہو رہے ہوں۔ جہاں مہر و مروت اور رحمت و موَدّت کو دونوں کی فطرت کی بنیاد بتایا جا رہا ہو وہاں مار پیٹ اور زدوکوب کا کہاں موقع ہے؟ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں حسنِ عمل، حسنِ سلوک اور خوش اسلوبی کی تائید کی گئی ہو وہاں گھر کے اندر مکان میں بیوی کے باہمی روابط میں زدوکوب کی اجازت کبھی نہیں دی جا سکتی ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کا یکساں ذمہ دار بنایا گیا ہے اور ان سے جو بد عملی سرزد ہو اس کے لئے اللہ نے تعزیرات و حدود عدالت کے سپرد کئے ہیں۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت دنیا کے کسی وضعیٔ قانون نے بھی نہیں دی ہے۔ اللہ کے قانون میں ایسی فکر کسی طرح پیدا کی گئی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت دے دے؟ بیوی کو مارنے کی اجازت قانون کو ہاتھ میں لے لینے کے مترادف ہے۔ ہمارے جو مفسرین قانونی ذہن کے مالک نہیں تھے، انہوں نے قرآن حکیم کے ایک جملہ کے وہ معنی متعین کر دیئے ہیں جو لاقانونیت پھیلانے کے ذمہ دار قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء کبھی نہیں ہو سکتا ہے جو فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ سنگین سرکشی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم بیوی کو سزا دینے کا حق میاں کو کس طرح اور کیوں دیگا؟ جبکہ اس نے انتہائی ناگوار صورت میں دونوں کو علیحدگی کا قانونی اختیار دیدیا ہے، اللہ نے جہاں مرد کو طلاق دینے کا قانونی حق دیا ہے اسی جگہ اس نے تین قوانین

بیوی کو بھی تفویض کر دیئے ہیں۔ شوہر کے تشدد پر بیوی طلاق بھی لے سکتی ہے خلع بھی لے سکتی ہے اور فوجداری مقدمہ بھی کر سکتی ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ جب اتنے اختیارات اللہ تعالیٰ نے خود بیوی کو مرحمت فرمادیئے ہیں تو پھر وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ بیوی کو مارو پیٹو۔ اسی لئے امام راغب اصفہانی کی تشریح خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ "واضر بو ھن" سے معنی زدوکوب کے نہیں ہیں۔ "ضَرَبَ" کے بہت سے معنی ہیں۔ یہاں "ضَرَبَ" کے وہی معنی ہیں جو محاورۂ عرب میں موجود ہیں اور یہ بات عبارت کی ساخت سے موضوع گفتگو سے اور اقتضائے کلام سے نمایاں ہے کیونکہ یہاں گفتگو شقاق کی نہیں ہے کہ میاں بیوی کے دل ایک دوسرے سے پھٹ گئے ہوں۔ شقاق کے بارے میں حکم دوسرا دیا گیا ہے کہ دونوں کے گھر والوں سے ایک ایک ثالث بلوالیا جائے اور مل جل کر معاملہ طے کر لیا جائے یہاں بھی جبکہ معاملہ واقعی سنگین تر ہے، میاں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ بیوی کو زدوکوب کرے اور مار پیٹ کر کے ادھ موا کر دے۔ اگر اوپر والی معمولی سی بات پر زدوکوب کی اجازت ہوتی تو آگے کی آیت میں جو اس سے زیادہ سنگین صورت ہے صاف قتل کر دینے کا حکم ہونا چاہیئے تھا مگر ایسا نہیں ہے بلکہ سنگین تر صورت حال میں بھی اس قدر متانت، سنجیدگی اور انسانیت کو راہ دکھائی گئی ہے کہ دونوں کے گھر والوں میں سے ایک ایک ثالث کو بلا لو اور مل جل کر بات طے کر لو۔ اس لئے آیت میں جہاں "وَاضْرِبُوْھُنَّ" ہے اتنی سختی اور سخت روی کا امکان نہیں ہے۔

غور اور فکر کی نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ آیت میں میاں بیوی کے درمیان کشیدگی سنگین نہیں بلکہ وقتی کیفیت ہے اسی لئے انفرادی طور پر خلوت کے اندر ہی اپنی کوششوں کے ذریعہ اس کو دور کرنے، ضبط نفس سے کام لینے، آمرانہ انداز سے بچنے اور پیار محبت اور صلح وآشتی سے کام لینے کی راہ بتلائی گئی ہے۔ اگر معمولی سی کشیدگی پر مار پیٹ کروادی جائے تو اس سے ماحول سازگار ہوگا یا ابتر ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ طلاق کو پسند نہیں کرتا ہے اسی لئے خانگی مناقشات کو بھی صلح صفائی کے ساتھ ختم کرانا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں انفرادی کوشش کی بھی راہ بتائی گئی اور اجتماعی کوششوں کی بھی۔

اجتماعی کوششوں کے بعد بھی میاں بیوی کے درمیان اگر صلح صفائی نہ ہو سکے (جس کے لئے "شقاق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) تو اللہ علیحدگی اختیار کر لینے کی اجازت دیتا ہے اور دیکھئے کہ طلاق کے ضمن میں بھی اس نے ماحول کو پراگندہ کرنے سے محفوظ رکھا ہے۔ بہت واضح حکم الٰہی ہے کہ اگر آپس میں میاں بیوی صلح نہ کر سکیں تو دونوں خوش اسلوبی سے علیٰحدہ ہو جائیں۔ طلاق کے احکام پر غور کیجئے پھر میاں کو یعنی مرد کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیوی کو اگر علیٰحدہ نہیں کرنا ہے تو خوش اسلوبی سے اپنے پاس رکھ لو اور اگر علیٰحدہ کر لینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو انتہائی حسن سلوک کے ساتھ بیوی کو رخصت کر دو جس قادر مطلق نے طلاق کے بعد بھی بیوی کو حسنِ سلوک سے رخصت کرنے کا حکم دیا ہے وہی مالک حقیقی وقتی کشیدگی کے دوران مار پیٹ کا حکم کس طرح دے گا اور کیوں مرد کو یہ اختیار دے گا؟ کیا وجہ ہوگی کہ اللہ چاہے گا کہ اس کے بندے اس کی بندیوں کو زدوکوب کریں جب کہ ان کے لئے ناسازگار حالات میں علیٰحدگی کا قانون تک اس نے مرحمت فرمادیا ہے"۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب پردہ میں ذکر کیا ہے کہ (۱) حضرت عمرؓ کی درخواست پر رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت دے دی تو مدینہ میں ایک دن میں ستر عورتوں کی پٹائی ہوئی...... مودودی صاحب نے بعد کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ "بیوی کی ٹھکائی" کے مؤلف نے اس واقع کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں، (۲) "عورتیں ساری کی ساری سراپا احتجاج بن کر رسول مقبولؐ کی رہائش گاہ پر پہنچ گئیں تو وہ ستر ہی نہیں تھیں اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں یہ لفظ بیان کثرت کے لئے کہے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بچوں اور ان کے رشتہ داروں کا ہونا بھی ممکن ہے، س طرح عورتیں گویا ایک جلوس کی شکل میں رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ اندازہ کیجئے کیسی فضاء پیدا ہوئی ہوگی۔ یہ ایک قانونی مسئلہ بھی تھا، سماجی مسئلہ بھی اور اخلاقی اور سیاسی مسئلہ بھی تھا اور حضورؐ کی بارگاہ سب سے بڑی عدالت تھی۔ امام الفقہا حضرت عائشہؓ صدیقہ نے ان عورتوں کی جو

(۱)۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، پردہ

(۲)۔ محمد انیس الرحمن ایڈووکیٹ، بیوی کی ٹھکائی

مجروح ہو چکی تھیں ذلت وخواری سے ہمکنار تھیں ان کی وکالت کی اور کان کھول کر سننے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے کتنا اہم فرمان صادر کیا،آپ عورتوں کے اس ہجوم سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ اعلان کروایا کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ ممبر پر چڑھے اور خطبہ دیا۔ فرمایا"آج ستر عورتیں محمدؐ کے گھر کا چکر لگاتی رہیں۔ یہ عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت کر رہی تھیں۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے وہ تم میں ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں"۔ یہ رسولؐ کا اعلان ہے اور کتنا اہم اعلان ہے قیامت تک کے لئے ایسے لوگوں کو برا قرار دیدیا گیا۔

رسول اللہؐ کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے اس قسم کی زدوکوب کی اجازت نہیں دی تھی۔ اگر اجازت دی ہوتی تو پھر خود ہی ایسی برہمی کا اظہار نہ فرماتے۔ مسجد میں لوگوں کے اجتماع کا اعلان کیوں کرایا؟ مردوں کو جمع کیوں کیا؟اور مردوں کو ملامت کیوں کی؟ کیا یہ تمام باتیں حضورؐ نے اپنی اجازت کے خلاف کیں؟رسولؐ کا فرمان ایک مستقل نظیر (Ruling) کی حیثیت رکھتا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ "ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں" اور جسے رسول اللہؐ اچھا نہ کہیں وہ کبھی اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ اس ارشادِ رسولؐ سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہی کہ رسول اللہؐ نے عورتوں کی مارپیٹ کو نازیبا حرکات قرار دیا اور ان حرکتوں سے دل برداشتہ ہوئے۔ برہمی کا اظہار کیا اور اصلاح فرمائی اگر انہوں نے اجازت دی ہوتی تو پھر برہمی اور دل برداشتگی اور اصلاح کا جواز پیدا نہ ہوتا۔

جن لوگوں نے اس روز اپنی بیویوں کو زدوکوب کیا تھا ان کے دلوں پر رسول اللہؐ کی جانب سے اس ملامت کے کیسے اثرات مرتب ہوئے ہوں گے اور رسول اللہؐ کی برہمی کس کو پسند آئی ہو گی۔ لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کہ "اس دن سے لوگ اپنی بیویوں سے ڈرنے لگے اور بات چیت کرنے میں بھی بہت محتاط ہو گئے کہ کہیں ان کے خلاف کوئی حکمِ الٰہی نازل نہ ہو جائے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت کسی تبصرے کی محتاج نہیں ہے۔ یہ خود تبصرہ ہے اس واقعہ پر جو عورتوں کی پٹائی کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ اس دن سے لوگ اپنی

بیویوں سے ڈرنے لگے بات چیت کرنے میں محتاط ہو گئے کہ خبر نہیں ان کے خلاف کوئی آیت نازل نہ ہو جائے۔ حکم الٰہی تو موجود تھا۔ قرآن مجید میں سب کچھ تھا اور آج بھی سب کچھ موجود ہے مگر اندیشہ یہ ہوا کہ نزول وحی کا سلسلہ چونکہ جاری ہے اور حضورؐ اکرم موجود ہیں کہیں کوئی اور سخت حکم نہ آجائے لیکن حضورؐ کے بعد جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو لوگ کیا پھر اپنی پرانی روش پر لوٹ گئے؟

اگر کوئی ایسا کہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ احکام خداوندی کو اور ارشاد نبوی کو لوگ مصلحتہً مان لیتے تھے اور پھر اپنی ہی من مانی کرتے تھے۔ یہ بہت بڑا الزام ہے صحابۂ کرام پر۔ ان کے ایمان اور اخلاص عمل ان کی نیک نفسی اور ان کے انقلاب طبیعت کے اوصاف عالیہ اور زمانۂ جاہلیت کے انداز واطوار سے ان کا تنفر اور ان کا خیر امت بن کر ابھرنا۔ ان سب پر داغ لگانا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے کسی وقت غصے میں آکر اور جذبات سے مغلوب ہو کر کسی نے یا کچھ لوگوں نے کسی وقت کچھ غلطیاں کر لیں ہوں مگر ان کے اندر اتنا بڑا انقلاب آگیا تھا کہ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی فوراً توبہ کرتے تھے اور توبہ کرنے کے معنی ان کے نزدیک یہ تھے کہ اب کبھی مرتے دم تک وہ غلطی پھر ان سے سرزد نہیں ہو گی۔ وہ لوگ ہمارے آپ کی طرح نہیں تھے۔ وہ صاحبان عزیمت تھے، صاحبان کردار تھے، صاحبان تقویٰ تھے اللہ اور رسولؐ سے بڑھکر کوئی ان کا محبوب نہیں تھا اور احکام قرآنی سے بڑھ کر کوئی طرز عمل ان کو مقبول نہیں تھا۔

یہ واقعہ جس کا ذکر ہے اگر ہوا بھی تھا تو اسی اصلاح کے لئے تھا جس کے بعد ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ جس سے حضورؐ نے ان کو روکا اس کا پھر دہرانے کی جرأت انہوں نے کی ہو۔ یہ لوگ حضورؐ کے اشارۂ ابرو پر فدا ہو جانے والے جان دیدینے والے لوگ تھے۔ جذبات اور عادات کی قربانی ان کے لئے کیا حقیقت رکھتی تھی۔

طبقۂ نسواں نے کہ معرکہ بہر حال سر کر لیا۔ مار کھا کر مردوں کے طبقے سے، قبل اسلام یعنی زمانۂ جاہلیت کی پرانی روش کو قیامت تک کے لئے ختم کروالیا۔ ایسے شوہروں کے خلاف رسول اللہ کا فرمان جاری کروا دیا کہ "جن لوگوں نے اپنی بیویوں کو مارا پیٹا ہے وہ

ہر گز اچھے لوگ نہیں ہیں" صرف اسی ایک جملے سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہؐ نے مار پیٹ کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ بیویوں کو زدوکوب کریں۔

دنیائے عرب میں طبقۂ نسواں کا وقار، عزت واحترام پیدا کر دینا قرآن حکیم کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ آج سید امیر علی اور ان جیسے بے شمار یورپی مسلم اور غیر مسلم مؤرخین اور انشا پردازوں نے اعتراف کیا ہے کہ عربوں کی دنیا میں جو طبقۂ نسواں کو احترام وقار اور عظمت حاصل تھی آج بھی وہ احترام اور عزت دنیا کی کسی قوم کی عورتوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ آج دنیائے علم نفسیات اور سائنس اعتراف کرتی ہے کہ قابل احترام اور قابل عزت ماؤں کی کوکھ سے ہی بلند پایہ عظیم اور نادر روزگار ہستیاں جنم لے سکتی ہیں"۔

صحیح بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ (۱) جن لوگوں کے بارے میں یہ شکایت تھی کہ وہ اپنی بیویوں کو مارتے ہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ کتنے شرم کی بات ہے کہ لوگ عورتوں کو مارتے بھی ہیں اور پھر ان سے مباشرت بھی کرنا چاہتے ہیں۔

قانون

پاکستان کے آئین ۱۹۷۳ء میں (۲) مرد و عورت کو مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔ ملکی قانون کے تحت کسی کو زدوکوب کرنا، مارنا یا زخمی کرنا جرم ہے۔ جس پر پولیس مقدمہ درج کر کے ملزم کو عدالت سے سزا دلوا سکتی ہے۔

رسم ورواج

پاکستانی رسم ورواج کے تحت نفسیاتی دباؤ کے ذریعے تشدد اور گالی گلوچ نہایت عام کی بات ہے۔ خواتین کی گھر میں مار پیٹ ہوتی ہے۔ تشدد کی صورت سماجی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔ خاندانی جھگڑوں میں کوئی دخل نہیں دیتا اگر بیوی رشتہ داروں سے شوہر کے

---

(۱)۔ بخاری شریف

(۲)۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، بنیادی حقوق

تشدد کی شکایت کرے تو اسے صبر کی تلقین کی جاتی ہے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں میں عورت پر تشدد کیا جاتا ہے: صوبہ سرحد(۱) کے علاقے چارسدہ، سوات، بگرام اور خیبر ایجنسی میں کہیں کہیں رواج ہے کہ پرانے جھگڑے ختم کرنے کیلئے عورت کو ہرجانے کے طور پر فریق مخالف کو دیا جاتا ہے۔ اسے سوارا (بدل) کہتے ہیں۔ بلوچستان میں بیوی کی مارپیٹ کو خاوند کا حق سمجھا جاتا ہے۔ یہاں عورتوں کو مارنا پیٹنا ایک عام سی بات ہے جو رسم ورواج کا ایک حصہ ہے۔ قبائلی جھگڑے نمٹانے کیلئے بلوچستان کے کچھ علاقوں میں (۲) عورتوں کو بطور بدل صلح دینے کا رواج ہے ایسی عورتوں کا کوئی سماجی مرتبہ نہیں ہوتا۔

پاکستان کی ۸۰ فیصد عورتیں تشدد کا شکار ہیں: گھریلو تشدد کے زمرے میں ہر وہ بدسلوکی شامل ہے جو کہ گھر اور خاندان میں کی جائے۔ مثال کے طور پر، خاوند کا بیوی پر ظلم، یا چچا، تایا، ماموں، خالو یا پھوپھا کا بھانجی یا بھتیجی پر ظلم یا ساس کا بہو پر ظلم، یہ سب گھریلو تشدد ہیں۔

گھریلو تشدد کی صورت مختلف حالات میں مختلف ہوسکتی ہے۔ کسی عورت پر ہونے والے تشدد کی مختلف صورتوں کا انحصار اس عورت کی اپنی عمر اور طبقے، اس کے والدین اور بھائیوں کی سماجی حیثیت اور اس کے شوہر کے طبقے پر ہوتا ہے۔ عام طور پر تعلیم یافتہ طبقے کی عورتوں کو زیادہ نفسیاتی اور جذباتی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ جاگیردارانہ، قبائلی اور نچلے طبقوں کی عورتوں کو جسمانی تشدد سے زیادہ گزرنا پڑتا ہے۔

وزارت امور خواتین کے تحت کئے گئے خواتین کے ایک غیر رسمی مطالعے کے مطابق پاکستان میں کم از کم ۸۰ فیصد خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔ شعبہ خواتین (Wom-en's Division) کی شائع شدہ رپورٹ "کے مصنفین کے مطابق تمام صوبوں میں زیادہ تر عورتوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ فرق صرف اس کی نوعیت، شدت اور وجوہات میں

---

(۱)۔ عورت' قانون اور معاشرہ، ادارہ شرکت گاہ

(۲)۔ عورت' قانون اور معاشرہ، ادارہ شرکت گاہ

ہو سکتا ہے۔ عورتوں کی اکثریت خاموشی سے یہ ظلم برداشت کرتی ہے (اور انہیں عام طور پر صبر و شکر کی تلقین کی جاتی ہے)۔ حالانکہ گھریلو تشدد کے واقعات ملک بھر میں عام ہیں، اور اکثر اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر خاندان میں گھریلو تشدد ایک ناگزیر بات ہے، پھر بھی لوگ اس موضوع پر بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے۔ گھریلو تشدد کو لوگوں کا ذاتی معاملہ سمجھا جاتا ہے جس میں غیروں کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ معاشرتی رویے اس سلسلے میں کافی پیچیدہ ہیں۔ مثلاً پختون معاشرے میں ایک واضح تضاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ گالی گلوچ کرے تو اسے بے غیرت کہا جاتا ہے لیکن اگر وہی شخص کھلم کھلا اپنی بیوی کا خیال کرتا ہوا نظر آئے یا اس کے لئے نرم دلی کا اظہار کرے تو عزیز واقارب اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اگر دیور یا جیٹھ کو غصہ آئے تو وہ بھابھی کو مارتا ہے، اگر سسر کو غصہ آئے تو وہ بہو پر ظلم کرتا ہے۔ شوہر، باپ یا بھائی منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالتے۔ اگر شوہر بیوی کی حمایت میں بولے تو اسے طنز و حقارت سے "ننجو" کہا جاتا ہے یعنی اپنی بیوی کا غلام"(۱)۔

تعزیرات پاکستان میں ایسی کئی شرائط ہیں جن کی بناء پر کسی قریبی رشتہ دار پر ظلم اور تشدد کرنے کا مقدمہ چلایا جاسکتا ہے لیکن یہ شرائط عورتوں کو رشتہ داروں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننے کے خلاف نہ تو تحفظ فراہم کر سکیں ہیں اور نہ ہی انصاف۔ اسی وجہ سے اب یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ گھریلو تشدد کو مخصوص جرم قرار دیا جائے اور اس مسئلہ کے لئے علیحدہ قانون سازی کی جائے۔

جب لڑکی پر تشدد کی صورت میں اسے پناہ دینے کا معاملہ آتا ہے تو بہت کم خاندان عملی قدم اٹھاتے ہیں۔ جن برادریوں میں جہیز کا رواج ہے وہاں شادی بیاہ پر لڑکی والوں کی خاصی رقم خرچ ہو جاتی ہے لہٰذا ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہر صورت میں لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہے۔ پنجاب اور سندھ میں شادی شدہ عورتیں اپنے میکے سے رابطہ رکھتی ہیں لیکن ان علاقوں میں جہاں دلہن کی قیمت وصول کرنے کا رواج ہے، خصوصاً پٹھانوں میں،

1.Beated Home Wifes in Pakistan.

وہاں عورت کا میکے سے رابطہ کم ہوتا ہے۔ عام طور پر یہی تصور کیا جاتا ہے کہ شادی شدہ عورت سسرال کی "ملکیت" ہے۔ عزت بچانے اور شادی پر خرچ کے معاملات کے علاوہ، کم آمدنی والے گھروں میں شادی شدہ عورت کی واپسی اس لئے بھی پسند نہیں کی جاتی کیونکہ وہ اس کا خرچہ نہیں اٹھاسکتے۔ عموماً خاندان والوں کا رویہ یہی ہوتا ہے کہ عورت ہمت سے حالات کا مقابلہ کرے، وہ ایک بار پھر کوشش کرے کہ حالات بہتر ہو جائیں تاکہ وہ خاندان کی "مایوسی کا سبب" نہ بنے۔ اگر گھر والے ہی مدد کو تیار نہ ہوں تو شادی شدہ عورت (خاص طور پر جس کے بچے ہوں) کے پاس اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا لہٰذا اسے مجبوراً ظالم شوہر کے ساتھ گزارا کرنا پڑتا ہے۔ بڑے شہروں میں عورتیں بدسلوکی یا تشدد کرنے والے شوہر کے دوستوں یا کبھی کبھار ان کے افسروں سے درخواست کرتی ہیں کہ شوہر پر دباؤ ڈالیں۔

عورت پر تشدد اور غیر سرکاری تنظیمیں : پنجاب کے شہری علاقوں اور کراچی میں (۱) عورتوں کو کمیونٹی والوں کی زبانی ہمدردیاں مل جاتی ہیں لیکن اس بات کا امکان کم ہے کہ وہ عملی طور پر مداخلت کریں۔ تاہم بہت سی عورتیں اپنی تذلیل پر شرمندہ ہوتی ہیں (مثلاً اپنے زخم دوسروں سے چھپانا) اسی لئے وہ ملنا جلنا کم کر دیتی ہیں۔ ایسے واقعات کم دیکھنے میں آتے ہیں، جہاں کمیونٹی نے تشدد کرنے والے شوہر کے خلاف بیوی کے اقدام کی حمایت یا حوصلہ افزائی کی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کی پٹائی کرتی ہو تو کمیونٹی کے لوگ شاید ہی کبھی کوئی قدم اٹھاتے ہوں۔

سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں نے کئی ایسے گھر قائم کئے ہیں جہاں تشدد کی شکار عورتوں کو پناہ مل سکتی ہے (۲)۔ ۱۹۶۳ء میں انجمن حمایت اسلام نے لاہور میں دارالامان قائم کیا جو پاکستان کی پہلی "بے سہارا عورتوں کی پناہ گاہ" تھی۔ لاہور کی طرز پر دوسرے شہروں میں سرکاری دارالامان قائم کئے جا چکے ہیں۔ لاہور کے دارالامان میں چار کمرے ہیں جن میں چالیس عورتوں کے رہنے کی گنجائش ہے (۱۰ خواتین فی کمرہ)۔ لیکن

(۱)۔ شرکت گاہ، عورت، قانون اور معاشرہ

(۲)۔ ایضاً

۱۹۹۳ء میں تحقیق کرنے والوں نے بتایا کہ یہاں ۸۰ کے قریب عورتیں اور بچے موجود تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری دارالامانوں میں عورتوں سے بدسلوکی کے واقعات اکثر اخباروں نے چھاپے ہیں۔ سرکاری پناہ گاہوں کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ عورتوں کو نوکریاں تلاش کرنے میں مدد نہیں کرتے اور اس طرح ان کا خودمختاری کا مسئلہ برقرار رہتا ہے۔ چند این۔جی۔ اور (غیر سرکاری تنظیموں) نے بھی پناہ گاہیں قائم کی ہیں، جیسے اسلام آباد میں "راحت" لاہور میں "دستک" "اپنا گھر" اور اس کے علاوہ ملک کے اکثر شہروں میں ایدھی سینٹر موجود ہیں۔ یہ ادارے خاصے چھوٹے پیمانے پر کام کرتے ہیں، اور عورتوں کو خود مختار بننے میں مدد ضرور کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قانونی امداد بھی فراہم کرتے ہیں۔ کئی تنظیمیں، مثلاً "وار" (WAR) ہنگامی حالات میں عورتوں کو پناہ دیتی ہیں لیکن ان تنظیموں کی وجہ سے عورتوں پر تشدد کے واقعات میں کوئی کمی نہیں آتی۔

تشدد کا مقابلہ کرنے کیلئے خواتین کی مدد کی غرض سے ۱۹۹۴ء میں زنانہ پولیس قائم کی گئی تھی۔ مگر یہ تھانے گھریلو تشدد کے معاملات میں لوگوں اور پولیس کے رویوں کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ زنانہ تھانے گھریلو تشدد اور شدید جھگڑوں کو نمٹانے کے لئے دونوں فریقوں میں صلح صفائی کی کوشش کرتے ہیں لیکن عورت کو اپنے شوہر کے پاس واپس جانے کے علاوہ شاید ہی کوئی حل تجویز کرتے ہوں۔ عورت پر تشدد کرنے والے شوہر یا سسرال والوں کو تھانے بلایا جا سکتا ہے اور تھانے کا عملہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر سمجھا سکتا ہے لیکن اس بات کا جائزہ نہیں لیا گیا کہ اس سادہ طریقہ کار کے دوررس آثار کس حد تک ہوتے ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ : ایمنسٹی انٹرنیشنل ڈگری کے کوآرڈینیٹر توفیق سردار راجپوت نے پاکستان میں غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کے بارے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی شروع کی جانے والی مہم کے سلسلے میں ڈگری پریس کلب میں صحافیوں کو پریس بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ (۱) پاکستان میں ہر سال سینکڑوں عورتیں

(۱)۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۲۸ ستمبر ۱۹۹۹ء

غیرت کے نام پر قتل کر دی جاتی ہیں۔ عورتوں کے خلاف تشدد ایک عالمگیر مسئلہ ہے جس کے مظاہر سماج اور معاشروں کی نوعیت کے حوالے سے مختلف ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کو روایات کی بنیاد پر حق بجانب قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ روایات خود مسخ اور خراب ہو چکی ہیں۔ پاکستانی عورت کی زندگی کے ہر حصے میں تشدد کا خطرہ سرایت کر چکا ہے۔ کمزور ترین شبہ بھی انہیں قتل سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں عورتوں کو کسی امکانی غلط فہمی کی صفائی یا ازالے کا کبھی کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ یہاں صرف شبے کی بنیاد پر عورتوں کو گولی کھا کر، جل کر، یا ذبح ہو کر موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کسی سے ناجائز تعلق رکھنے کے فرضی شبے یا بے حرمتی کا شکار ہونے والی عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی حکومت عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے سے متعلق اقوام متحدہ کے کنونشن کی توثیق کر چکی ہے لیکن اس کے باوجود وہ غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کو روکنے، اسکی تفتیش کرنے اور مجرموں کو سزا دلوانے میں عملی اعتبار سے ناکام ہو چکی ہے۔ غیرت کے نام پر عورتوں کی ہلاکتوں اور خانگی قتل کے جرائم میں ملوث مجرموں کو شاذونادر ہی قانون کی گرفت میں لیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل پاکستان میں حکومت پر زور دے رہی ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کے تحت عورتوں کو تحفظ فراہم کرنے کی اپنی تمام تر ذمہ داریاں پوری کرے یہ کام عدالتی طریقہ کار اور فوجداری قوانین پر نظر ثانی کے ذریعے فوری طور پر کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر قصاص ودیت کے قانون پر نظر ثانی ہونی چاہئے کیونکہ اس قانون کے ذریعے مرد اپنی رشتہ دار عورتوں کو قتل کر کے فوجداری کارروائی سے بچ نکلتے ہیں۔ اسی طرح ہر قسم کے خانگی تشدد کو فوجداری جرم قرار دے کر یہ کام کیا جا سکتا ہے تاکہ عورتوں کو مساوی قانونی تحفظ حاصل ہو سکے۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ امور داخلہ کے صوبائی محکمے، کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور سینئر پولیس اہلکار غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے تمام واقعات کا فوری اور ٹھوس نوٹس لیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں وسیع پیمانے پر رائے عامہ میں شعور کو بیدار کرنے کے لئے پروگرام شروع کئے جانے چاہئیں۔ تاکہ عوام کو اس بات سے باخبر کیا

جائے کہ عورتوں کو بھی مساوی حقوق حاصل ہیں۔

ایمنسٹی انٹر نیشنل نے ایک رپورٹ جاری کی جس میں پاکستانی عورت پر ڈھائے جانے والے مظالم کی نشاندی کی گئی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ (۱) غیرت کے نام پر ہر سال سیکڑوں عورتیں قتل کر دی جاتی ہیں۔ بہت سی ہلاکتوں کی رپورٹ درج نہیں کرائی جاتی اور اس جرم میں ملوث تقریباً کسی مجرم کو سزا نہیں ملتی۔ پولیس غیرت اور خانگی قتل کے تقریباً تمام جرائم میں دکا ساتھ دیتی ہے اور شاذونادر ہی مجرموں پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دلائی جاتی ہے۔

سندھی عورت کاروکاری کی بھینٹ : غیرت کے نام پر عورتوں کو مختلف طریقوں سے قتل کیا جاتا ہے۔ سندھ میں اس رسم کو کاروکاری کہا جاتا ہے۔ کارو کا مطلب سیاہ مرد اور کاری کا مطلب سیاہ عورت ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کو کلہاڑے یا چھوٹی کلہاڑیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ اس قتل میں عموماً برادری بھی شریک ہوتی ہے۔ پنجاب میں اس طرح کے قتل بالعموم گولی مار کر کئے جاتے ہیں۔

غیرت کے نام پر قتل ہونے والی عورتوں کا دائرہ نابالغ بچیوں سے لے کر عمر رسیدہ دادیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ انہیں عام طور پر صرف "ناجائز" جنسی تعلقات رکھنے کے الزام میں ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ انہیں الزام کی صفائی پیش کرنے کا کوئی موقع فراہم نہیں کیا جاتا کیونکہ ایسا کرنا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مرد کی غیرت کیلئے یہ جواز کافی سمجھا جاتا ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق (۲) صرف پنجاب میں ۲۸۶ عورتوں کو غیرت کے نام پر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ سندھ سے متعلق ایچ آر سی پی کی خصوصی ٹاسک فورس کو سندھ میں ۱۹۹۸ء میں کاروکاری کے ۱۹۶ واقعات کی اطلاعات موصول ہوئیں جن میں ۲۲۶ اموات ہوئیں۔

زیادہ تر برادریوں میں کاری کیلئے موت کے علاوہ کوئی اور سزا نہیں ہے۔ ایک مرد

---

(۱)۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل اسلام آباد، رپورٹ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۹ء

(۲)۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان، رپورٹ ۱۹۹۸ء

میں اپنی غیرت کے تحفظ کی کتنی صلاحیت ہے اس کا فیصلہ خاندان اور ہمسائے کرتے ہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیرت کے تحفظ کی خاطر قوت کا سرعام مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی غیرت کو نقصان پہنچانے والوں کو قتل کر کے اسے بحال کرے۔ یہی وجہ ہے کہ غیرت کے اکثر قتل کھلے عام کیئے جاتے ہیں۔

غیرت کے نام پر جو قتل ہوتے ہیں ان میں اگر صرف کاری قتل ہو جائے، جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو کارو کیلئے متاثرہ مرد کو اسکی غیرت کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کیلئے تاوان ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تاوان قتل ہونے والی عورت کی قیمت اور اپنی جان بچانے کی خاطر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ نظام پیسے وصولنے، تاوان میں عورت حاصل کرنے یا دوسرے جرائم کی پردہ پوشی کیلئے کئی مواقع مہیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قاتل کو تقریباً اس بات کا بھی یقین ہوتا ہے کہ اگر اس نے غیرت کے بہانے کوئی قتل کیا تو عدالت اس کے ساتھ نرمی کریگی۔ ایسے مردوں کے بارے میں بھی اطلاعات ملی ہیں جو غیرت کے مسئلے کی بجائے دیگر تنازعات کے باعث دوسرے مردوں کو قتل کر دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ہی خاندان کی کسی عورت کو کاری قرار دے کر ہلاک کرتے ہیں تاکہ پہلے قتل کو غیرت کے قتل کا نام دیا جاسکے۔ ایسے واقعات بھی منظر عام پر آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تاوان کا لالچ بھی بعض معاملات میں سچ کو مسخ کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اس امر کے باعث کہ ناجائز تعلقات کا الزام لگا کر تاوان میں عورتیں حاصل کی جاسکتی ہیں، "غیرت" کے نظام میں مزید [illegible] ایاں پیدا کر دی ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی مرد سے شادی کرنے سے انکار کر دے تو وہ اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو کارو قرار دے کر اسے قتل نہ کرنے کے عوض اس عورت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے الزام کو وزن دینے کیلئے اپنے خاندان کی کسی عورت کو کاری قرار دے کر قتل بھی کر دیتا ہے۔

پولیس عموماً روایات اور اخلاقیات کے سرپرست کے طور پر عمل کرتی ہے یا اس کام کیلئے استعمال ہونے پر آمادہ ہوتی ہے چہ جائے اس کے کہ وہ قانون کا غیر جانبدارانہ نفاذ کرے۔ باپ ان بالغ بیٹیوں کو جو اپنی مرضی سے شادیاں کر لیتی ہیں پکڑنے کیلئے پولیس کا

عام استعمال کرتے ہیں۔ عدالتوں نے اپنے کئی فیصلوں میں یہ قرار دیا ہے کہ بالغ عورت اپنے سرپرست کی رضا کے بغیر شادی کرنے کا حق رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود اس حق کا استعمال کرنے والی عورتوں کے خلاف اغوا اور زنا کے مقدمات درج کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

ہر چند کہ پولیس بآسانی اس بات کا تعین کر سکتی ہے کہ جوڑا شادی شدہ ہے اور اس پر اغوا یا زنا کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ اس طرح کے جرائم میں مالی بدعنوانی بھی پولیس کی بے عملی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

ایک سماجی کارکن نفیسہ شاہ کی ۱۹۹۳ء کی رپورٹ کے مطابق، (۱) "کاروکاری کے قتل پر کشمور کی پولیس خاموش رہنے کیلئے سات ہزار روپے وصول کرتی ہے......وہ کبھی مقدمات کا اندراج نہیں کرتی اس لئے کشمور میں ایسے جرائم کی شرح صفر ہے"۔ نفیسہ شاہ کے مطابق جیکب آباد کے تھانے پولیس کے حلقوں میں سونے کی کان سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اس ضلع میں کاروکاری کے نام پر ہونے والے قتل تعداد میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس طرح پولیس عورتوں کو جلانے کے مقدمات کی بھی شاذونادر تفتیش کرتی ہے۔ ۱۹۹۸ء میں کھانا پکانے کے دوران لاہور میں ۱۸۳ عورتیں ہلاک ہوئیں۔ ان واقعات کی صرف ۲۱ شکایات پولیس کے پاس درج کرائی گئیں اور جن میں بالآخر صرف ۳ افراد کو گرفتار کیا گیا جبکہ تین سال پہلے ہائیکورٹ کی ایک رولنگ میں پولیس کو جلنے کے تمام واقعات کی مکمل تفتیش کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ جل کر ہلاک ہونے والی ۷۰ عورتیں ایسی تھیں جو حادثے کے وقت کھانا نہیں پکا رہی تھیں۔

زندگی جیسی انمول شے چھین لینے کا حق دنیا میں کسی کو نہیں دیا جا سکتا، اسی لئے دنیا بھر میں دہشت گرد، ڈاکو اور جرائم پیشہ افراد بھی پولیس کی تحویل میں اگر مشکوک طور پر ہلاک ہو جائیں تو ان کی ہلاکت پر شدید احتجاج کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے سیاستدان اپنے کارکنوں کی پولیس مقابلے میں ہلاکت پر عالمی ادارہ انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بات کرتے ہیں۔ اس صورتحال کو نظر میں رکھتے ہوئے سیاستدانوں کیلئے

(۱)۔ نفیسہ شاہ کی رپورٹ شائع شدہ ۱۹۹۳ء

کام کرنے والی خواتین اور سیاست دانوں کو ایوانوں تک پہنچانے والے ووٹروں کو سوچنا چاہیئے کہ عورت کے ساتھ ہونے والے اس ظلم کے خلاف ان کے رہنماؤں نے کبھی آواز کیوں بلند نہیں کی۔ اسی طرح یہ سوال برسر اقتدار سیاسی پارٹی سے تعلق رکھنے والی خواتین رہنماؤں سے بھی ہونا چاہیئے کہ اگر وہ پارلیمینٹ میں عورتوں کی نشستوں کی بحالی کیلئے وزیراعظم پر دباؤ نہیں ڈال سکتیں تو اپنے ساتھی وزیروں سے یہ سوال تو کر سکتی ہیں کہ اپنے اپنے حلقے کی عورتوں کے ووٹوں سے منتخب ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچنے والے اور وزیر باتدبیر بن جانے والے یہ حضرات پاکستانی عورت کو درپیش خطرات سے آنکھیں کیوں چراتے ہیں اور ان کے بارے میں اس قدر سنگدلی سے بیانات کیوں دیتے ہیں؟

خلاصہ اور تجزیہ

۱۹۷۵ء میں خواتین کے عالمی سال کے موقع پر پاکستانی خواتین کے لئے ایک حقوق کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ ۱۹۷۶ء کے اوائل میں حقوق کمیٹی کی رپورٹ اخبارات میں شائع کی گئی۔ رپورٹ میں تیس سفارشات کا اعلان کیا گیا تھا جن (سفارشات) کا تعلق خواتین کے آئینی حقوق اور ان پر عمل درآمد سے تھا۔ رپورٹ میں درج تھا کہ عائلی قوانین نے عورتوں کے شادی بیاہ، خلع اور طلاق کے معاملات میں ان کے حقوق کا بڑی حد تک تحفظ کیا ہے۔ سفارشات کی رو سے ایک طرف عورتوں کو اس امر کا تحفظ فراہم کیا گیا تھا کہ مرد کے ظلم اور زیادتی کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کر کے اس سے آسانی سے چھٹکارہ حاصل کر سکتی ہے دوسری طرف مطلقہ عورتوں کو مالی طور پر گزراوقات کے لئے زیادہ تحفظات دیئے گئے تھے۔

کارکن عورتوں کے لئے ان سفارشات میں خاص اقدامات تجویز کئے گئے تھے۔ کہا گیا تھا کہ ان کی رو سے قوانین میں ترمیم کر کے سوشل سیکورٹی تمام شہروں میں نافذ کی جائے گی، شہروں میں نرسریاں اور بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز کھولے جائیں گے، ساتھ ہی زچگی سے متعلق آرڈیننس میں ترمیم کی جائے گی تاکہ زچگی کے جو فوائد فیکٹریوں میں ملازم خواتین کو حاصل ہیں، وہ ایسے تمام تجارتی اور صنعتی اداروں کی خواتین کو بھی حاصل ہو جائیں، جن میں دس یا اس سے زائد ملازم خواتین ہوں۔ ایک اور سفارش یہ تھی کہ قانون میں ترمیم کے ذریعے بلدیاتی اداروں کی ۲۵ فیصد رکنیت خواتین کے لئے مخصوص کی جائے گی یہی نہیں بلکہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کے قوانین میں اس طرح کی ترمیم کی جائے گی کہ ہر سیاسی جماعت کم از کم دس فیصد خاتون امیدوار نامزد کرے۔ مگر ان سفارشات پر عمل نہیں ہوا۔ آج بھی رسم ورواج نے خواتین کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ رشتے ناتے کے معاملوں میں ان کی رضاجوئی کو بے غیرتی کہا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر ان سفارشات پر عمل کرنے میں کیا قباحت ہے؟

۱۹۹۰ء میں خواتین کی وزارت قائم ہوئی تھی جس کے مقاصد درج ذیل متعین کیے گئے تھے۔

☆خواتین کی ضروریات اور سہولتوں کے لئے پالیسی اور قانون بنانا۔

☆خواتین کے مسائل پر تحقیق کرنا۔

☆زندگی کے تمام شعبوں میں تعلیم اور ملازمت سمیت خواتین کو یکساں مواقع فراہم کرنا۔

☆خواتین کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے منصوبے تیار کرنا اور ان پر عمل درآمد کرنا۔

☆دنیا بھر کی خواتین تنظیموں سے رابطہ اور پاکستان کی نمائندگی کرنا، تاکہ پاکستانی خواتین کے مسائل کو بین الاقوامی سطح پر لایا جا سکے۔

ان تمام مقاصد کے تحت منصوبے بنائے گئے۔ ۱۹۹۰ء ہی میں ایک تین سالہ ترقیاتی منصوبے کی منظوری دی گئی، جو اگلے سات سالہ منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ اس منصوبے کے تحت کئی پراجیکٹ شروع کرنے کا کہا گیا تھا۔ مثلاً تمام ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز میں خواتین کے لئے پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ کا قیام، لاہور، کراچی، اسلام آباد، پشاور اور کوئٹہ میں سیکرٹری ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد میں ایک ہوم اکنامکس کالج کا قیام، ملک میں بارہ خواتین سینٹرز کا قیام، جن میں ڈے کیئر سینٹر، بچوں کی ڈسپنسریاں اور تربیت کا اہتمام، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پلاننگ کا قیام، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، تمام ضلعی ہیڈ کوارٹرز میں ورکنگ وویمن ہوسٹل مع ڈے کیئر سینٹرز، نیشنل انسٹی ٹیوٹ برائے خصوصی تعلیم، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ویمن سائیکالوجی، خواتین کے لئے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کا قیام، روزگار کے مواقع اور تجاویز کے لئے ایک بیورو کا قیام، خواتین کو ماحولیات کے بارے میں تربیت دینے کا ادارہ۔ لیکن ان میں سے کسی ایک پراجیکٹ پر بھی عمل نہیں ہوا۔

✓ اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت کے حوالے سے خواتین کے حقوق سماجی انقلاب اور معاشرتی ترقی میں اہم حیثیت رکھتے ہیں لیکن پاکستان میں تعلیم کی کمی اور اپنے

حقوق سے لاعلمی کے باعث خواتین کا ہر جگہ اور ہر سطح پر استحصال کیا جارہا ہے۔ خواتین کے حقوق، جو کہ ان کو اسلام اور قانون نے عطا کئے ہیں، اس وقت تک رائج نہیں ہو سکتے جب تک معاشرے میں خواتین کے ساتھ مساویانہ سلوک کو من حیث القوم ثقافتی اقدار کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ دوسرا یہ کہ خواتین کو اپنے حقوق سے نہ صرف آگاہی حاصل نہیں بلکہ طرز معاشرت اور سماجی عوامل کی وجہ سے وہ ماحول بھی میسر نہیں کہ وہ اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کر سکیں۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ خواتین کو اپنے حقوق سے بہرہ مند ہونے کیلئے جو ماحول درکار ہے عملاً اس کے امکانات پاکستان میں میسر نہیں۔

پاکستانی خواتین عدم تحفظ کا شکار ہیں اور اس حوصلہ شکن ماحول میں ان کی تعمیر و ترقی کی راہیں مسدود نظر آرہی ہیں۔ اقوام متحدہ نے خواتین کے حقوق میں پیش رفت کے سلسلے میں ۱۶۳ ممالک کا سروے کیا تو پاکستان کو ۱۳۱ ویں نمبر پر دکھایا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں خواتین کے حقوق کے ساتھ کیا حشر کیا جارہا ہے پاکستان کی مجموعی آمدنی میں خواتین کا حصہ سروے کے مطابق صرف بیس فیصد ہے۔

اگرچہ پاکستان میں عورت کے سیاست میں حصہ لینے پر کوئی پابندی نہیں لیکن عملی طور پر عورت کو سیاست سے جبراً دور رکھا جاتا ہے۔ پاکستان کی معزول قومی اسمبلی میں پانچ خواتین جبکہ سینٹ میں صرف دو اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں ایک ایک خاتون ممبر موجود تھیں۔ یہ بات صرف خواتین کے سوچنے کی ہے کہ وہ سیاست میں کس حد تک حصہ لیتی ہیں اور خواتین بحیثیت ووٹر خواتین کو کس قدر ووٹ دیتی ہیں۔ پاکستانی خواتین میں جب تک سیاسی شعور بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک ان کے سیاسی حقوق پر اسی طرح ڈاکہ ڈالا جاتا رہے گا۔

اسلام اور قانون کی نظر میں پاکستانی عورت کو سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی تمام حقوق مرد کے برابر حاصل ہیں۔ پاکستانی عورت کو قصاص کا حق، علم حاصل کرنے کا حق، شادی و نکاح کا حق، زبان کا حق، تحریر و تقریر کا حق، جائیداد کی ملکیت کا حق، کاروبار کا حق،

عزت ووقار کا حق، زندگی اور آزادی کا حق، تحفظ گرفتاری اور حبس بیجا کا حق، انجمن سازی کا حق، مذہب کا حق اور اس طرح کے دیگر تمام حقوق حاصل ہیں جو ایک پاکستانی مرد کو پاکستان کا آئین فراہم کرتا ہے لیکن سماج اور رسم ورواج کی قیود نے عورت کو ان حقوق سے بہرہ مند نہیں ہونے دیا۔ اسلام اور قانون، عورت کے حق ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر رسم ورواج اور خاندانی حالات اسے مالک بننے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ پاکستانی عورت اپنے حق کو غصب ہوتے تو دیکھ رہی ہے لیکن آواز بلند نہیں کر رہی، جس طرح مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے لیکن پاکستانی عورت اپنے اس حق کو استعمال نہیں کرتی۔ ملکی قوانین کے حوالے سے فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء اور مغربی پاکستان فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے تحت پاکستانی خواتین کو خلع کا حق، تنسیخ نکاح کا حق، نان ونفقہ کا حق، بچوں کی سپردگی کا حق، اور جہیز کے سامان کو اپنی ملکیت میں رکھنے کا حق حاصل ہے لیکن خواتین میں اسلام اور قانون سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ ان حقوق سے استفادہ نہیں کر سکتیں۔ حدود آرڈیننس کے تحت اکثر اوقات خواتین زیر عتاب رہتی ہیں جبکہ مرد آسانی سے بری ہو جاتے ہیں۔ عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کے تحت پاکستانی مرد عورت کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ مرد حضرات آزادی سے دوسری شادیاں رچاتے پھرتے ہیں لیکن پہلی بیویاں ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کرتیں۔ کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ خاتون کی درخواست پر کسی عدالت نے کسی مرد شوہر کو بغیر اجازت دوسری شادی کرنے پر قید کی سزا دی ہو۔

پاکستانی خواتین کی ایک کثیر تعداد اپنے شوہروں اور دیگر قریبی مرد رشتہ داروں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ حقوق نسواں کے ایک سروے کے مطابق دیہات کی ۸۲ فیصد اور شہروں کی ۵۲ فیصد خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں پٹتی ہیں۔ پنجاب میں خواتین پر نہ صرف جسمانی تشدد کیا جاتا ہے بلکہ عموماً سسرالی رشتہ دار عورتوں کو آگ لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق سال ۱۹۹۸ء میں صرف پنجاب میں عورتوں کو ہراساں کرنے کے ۵۵ واقعات، اغواء کے ۸۲۸ واقعات، سرعام ننگا کرنے

کے ۷۷ واقعات اور کمسن بچیوں کے ساتھ زیادتی کے ۴۲۴ واقعات ہوئے۔ شادی شدہ عورتوں کو قانونی مقدمات میں ملوث کرنے کے بیشمار واقعات ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں کراچی میں رفعت آفریدی اور کنور احسن اور اوکاڑہ کی حمیرا ملک اور محمود بٹ کے مقدمات ہائی کورٹ تک پہنچائے گئے حتیٰ کہ ان کو اپنا وطن چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

پاکستانی خواتین میں خودکشی کے رجحان میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کی اہم وجوہات گھریلو تنازعات، مردوں کی مرضی کے خلاف شادی، بیٹیوں کی شادی پر طعنے اور شوہروں کا سخت رویہ ہے۔

میرے خیال میں پاکستانی عورت کو اپنے حقوق کے سلسلے میں جو پریشانیاں لاحق ہیں ان کا تعلق اسلام اور قانون سے کم اور رسم ورواج اور سماجی عوامل سے زیادہ ہے۔ خواتین کو جو حقوق اسلام نے اور قانون نے دیئے ہیں وہ رسم ورواج اور سماجی ناہمواری کی وجہ سے انہیں نہیں مل رہے۔ اس کے علاوہ سب سے اہم وجہ تعلیم کی کمی اور حقوقِ نسواں سے لاعلمی ہے۔ احساس کمتری بھی پاکستانی عورت کے حقوق کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ مرد ذہنی طور پر خود کو عورت سے بالاتر سمجھتے ہیں جبکہ خواتین ان کی اس برتری کو بلاچوں وچرا تسلیم کرتی چلی آرہی ہیں جو عورت کی احساس کمتری کا بین ثبوت ہے۔

پاکستان میں سماجی تنظیمیں بھی اپنا کردار صحیح طور پر انجام نہیں دے رہیں۔ اکثر تنظیمیں صرف کاغذی بیانات یا نام نہاد سیمنار تک محدود ہوتی ہیں۔ عورتوں کی اپنی سماجی تنظیمیں بھی فعال نہیں۔ پاکستان میں کوئی بھی ایسی منظم سماجی تنظیم نسواں نہیں جو خواتین کے حقوق کی علمبردار ہو اور عملی طور پر میدان میں آکر خواتین کے حقوق کا دفاع کر سکے۔ ان تنظیموں کو چاہیئے کہ وہ شہروں کی بجائے دیہاتوں کا رخ کریں، عورتوں میں تعلیم عام کرنے کے پروگرام مرتب کریں اور انہیں عملی جامہ پہنائیں۔ عورتوں میں علم اور عمل کے علاوہ اپنا حق حاصل کرنے کا شعور بیدار کریں۔

پاکستانی خواتین کی پسماندگی اور مظلومیت میں پاکستانی عورت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ گھر میں ساس، نند اور بہو کا جو کردار خواتین ادا کر رہی ہیں انکی وجہ سے پورا پاکستانی

معاشرہ سماجی ناہمواری کا شکار ہے۔ میرے خیال میں عورت، عورت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ عورت نے ہی عورت کو مظلومیت کے گہرے کھڈ میں گرایا ہے۔ کہیں ساس بن کر، کہیں بہو بن کر، کہیں نند بن کر اور کہیں سوکن بن کر دوسری عورت کیلئے ایسے راستے تلاش کیے ہیں جن کا رخ نہ صرف تاریکی اور ظلمت کی طرف جاتا ہے بلکہ یہی راستے آگے چل کر سماج کے مستقل قانون بن گئے۔ اگر پاکستان کی عورتیں صرف ووٹ کی طاقت استعمال کریں اور خواتین امیدواروں کو ووٹ دیں تو پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ میں خواتین ممبران نہ صرف اکثریت میں ہوں بلکہ پاکستان کی حکومت بھی عورتوں کے ہاتھ میں ہو۔

اصلاح کی تجاویز

حقوق نسواں کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

1۔ "تحریک آزادی نسواں" کے نام سے محلّہ، گوٹھ، گاؤں، ڈھوک اور دیہات کی سطح پر ہر طبقہ، ہر مکتبۂ فکر اور ہر عمر کی عورتوں کی تنظیمیں قائم ہوں جن میں تمام عورتوں کی لازمی ممبر شپ ہو اور یہ تنظیمیں تھانوں میں رجسٹر ہوں۔ بنیادی تنظیموں کے عہدیداران تحصیل، ضلع، ڈویژن، صوبہ اور ملکی سطح پر فیڈریشن قائم کر کے ایک مربوط سماجی رابطہ قائم کریں۔

2۔ تحریک آزادی نسواں کے ذریعے عورتوں میں تعلیم کو عام کرنے پر زور دیا جائے۔

3۔ تحریک آزادی نسواں گھر گھر سروے کے ذریعے معلومات اکھٹی کرے کہ آیا عورت کو بحیثیت بچی، بیٹی، بہن، بیوی اور ماں اسلام اور قانون کے عطا کردہ حقوق حاصل ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان رکاوٹوں کی نشاندہی کے بعد انہیں دور کرنے کے اقدامات کیئے جائیں۔

4۔ تحریک آزادی نسواں، ملکی سطح پر حقوق نسواں کے نام سے ایک مفصل سروے رپورٹ تیار کرے جس میں نشاندہی کی جائے کہ وہ کون سے عوامل

ہیں جن کی وجہ سے پاکستانی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل نہیں، منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں میں ان کو حق ملکیت حاصل نہیں، مساجد میں ان کیلئے الگ نماز باجماعت کا اہتمام نہیں، سیاسی جماعتوں میں ان کی نمائندگی کا تناسب کم ہے، عدالتوں میں، ملازمتوں میں اور وزارتوں میں ان کا کوٹہ مقرر نہیں، پاکستانی عورت پر جنسی، جسمانی اور روحانی تشدد ہو رہا ہے اور ان مشکلات کو بتدریج دور کرنے کیلئے اقدامات تجویز کئے جائیں۔

5۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق قومی اسمبلی میں ۹ء۶۶ فیصد اور صوبائی اسمبلیوں میں پانچ فیصد خواتین کی مخصوص نشستیں مقرر کی گئی تھیں لیکن اسی آئین کی رو سے ۱۹۸۸ء میں یہ مخصوص نشستیں خود بخود ختم ہو گئیں اور اس کے بعد آج تک عورتوں کی نمائندگی کے بارے میں اسمبلیوں میں غور نہیں کیا گیا۔ اگرچہ آبادی کے لحاظ سے خواتین کو اسمبلیوں میں پچاس فیصد نمائندگی ملنی چاہیئے تاہم ابتدائی طور پر قومی اسمبلی میں بیس فیصد اور صوبائی اسمبلیوں میں دس دس فیصد کے حساب سے خواتین کی نشستیں مخصوص ہونی چاہیئے تاکہ خواتین کے حقوق کے حصول میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو صوبائی و قومی سطح پر قانون کے نفاذ کے ذریعے دور کیا جا سکے۔

6۔ پاکستان کے آئین میں یکطرفہ ترامیم کی بجائے عورتوں کی نمائندگی کو لازمی بنایا جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، سپریم کورٹ آف پاکستان اور دیگر اعلیٰ اداروں میں عورتوں کی نمائندگی کیلئے کم از کم دس فیصد کوٹہ مقرر ہونا چاہیئے۔

7۔ حدود آرڈیننس میں ترمیم کر کے مردوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ عورتوں کو بدکاری و فحاشی کی طرف راغب نہ کریں۔ نائٹ کلب اور فحاشی وبدکاری کے اڈوں کے سرپرست مردوں کے خلاف یکطرفہ طور پر سخت قانونی کاروائی ہونی چاہیئے۔

8۔ حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ بے یارومددگار عورتوں کی سرپرستی اور معاشی کفالت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ایسی خواتین کیلئے زکوٰۃ فنڈ سے ماہوار وظائف مقرر کر کے مستقل بنیادوں پر انکے معاشی مسائل کا سدباب کرے۔

9۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مرکزی حکومت کی سطح پر ایک

اعلیٰ اختیاراتی ودمن کمیشن قائم ہونا چاہیے جس کی سفارشات پر عمل درآمد کے لئے تمام مرکزی وصوبائی محکموں کوپابند کیا جائے۔

کتابیات

۱۔ انوار القرآن — ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

۲۔ سنن ابو داوٗد شریف — امام ابو داوٗد

۳۔ سنن ابن ماجہ — امام ابن ماجہؒ

۴۔ المحلیٰ — ابن حزمؒ

۵۔ امداد الفتاویٰ — مولانا اشرف علی تھانویؒ

۶۔ اسلام کا قانون وراثت و وصیت — شہزاد اقبال شام

۷۔ اسلام اور عورت — مالک رام

۸۔ اسلام کا قانون شہادت اور خواتین کا مقام — مولانا مفتی عبدالسلام

۹۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ — شہزاد اقبال شام

۱۰۔ اسلام میں خواتین کا کردار — عاصم نعمانی

۱۱۔ اسلام کا قانون وراثت — عبدالحیٔ ابڑو

۱۲۔ اس بازار میں — آغا شورش کاشمیری

۱۳۔ امراؤ جان ادا — مرزا ہادی رسوا

۱۴۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل — مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

۱۵۔ بخاری شریف — امام بخاریؒ

۱۶۔ بدائع الصنائع — علامہ کاسانی

۱۷۔ بیوی کی ٹھکائی؟ — محمد انیس الرحمٰن انیس

۱۸۔ بائبل

۱۹۔ بنیادی حقوق — محمد صلاح الدین

۲۰۔ پاکستان کا آئین ۱۹۷۳ء — محمد اعظم چوہدری

۲۱۔	پاکستانی مسلمانوں کے رسم ورواج	پروفیسر شاہد حسین رزاقی
۲۲۔	پردہ	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۲۳۔	پاکستانی عورت دوراہے پر	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
۲۴۔	پاکستان میں انسانی حقوق کی پامالی	ڈاکٹر مظفر عارف
۲۵۔	پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت	رشیدہ پٹیل
۲۶۔	پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال ۱۹۹۷ء	انسانی حقوق کمیشن پاکستان
۲۷۔	تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۲۸۔	تفسیر القرآن	شاہ رفیع الدینؒ
۲۹۔	تفسیر القرآن (بیان القرآن)	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۳۰۔	تفسیر القرآن (فتح الحمید)	مولانا فتح محمد جالندھریؒ
۳۱۔	ترمذی شریف	امام ترمذیؒ
۳۲۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین احمد ندوی
۳۳۔	توضیح المسائل	آیت اللہ العظمیٰ آقائے سیستانی
۳۴۔	تحریک آزادی نسواں	الی زفلیکو (ترجمہ: نجم فاروقی)
۳۵۔	تحریک پاکستان اور خواتین	نورالصباح بیگم
۳۶۔	جدید فقہی مباحث	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
۳۷۔	چادر اور چار دیواری	حضرت امام احمد رضا خانؒ
۳۸۔	جدید تحریک نسواں اور اسلام	ثریا بتول علوی
۳۹۔	حنفی فقہ	علامہ بدر الدین العینی
۴۰۔	حقوق نسواں	مولانا حمید الرحمان عباسی
۴۱۔	خطبات بہاولپور	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۴۲۔	خاتون اسلام	مولانا وحید الدین خاں

۴۳۔	خلافت اور امامت اور طبقۂ نسواں	محمد انیس الرحمٰن انیس
۴۴۔	دو نسلوں کی مائیں	شائستہ سعید
۴۵۔	روح اسلام	سید امیر علی
۴۶۔	روداد پردہ	سید برکات احمد (علیگ)
۴۷۔	رسوم اقوام	علی عباس جلالپوری
۴۸۔	سفرنامہ افغانستان	مولانا سید سلیمان ندوی
۴۹۔	شرعی پردہ اور مسلم خاتون	حسن الاعظمی
۵۰۔	شرح الجامع الکبیر	شیخ ابو لعین نسفی
۵۱۔	شرح ہدایہ (اردو ترجمہ : عین الھدایہ)	جسٹس سید امیر علی
۵۲۔	طبی انسائیکلو پیڈیا	پرفیسر دو فارینی (ترجمہ : ابو الکلام آزاد)
۵۳۔	عمدۃ القاری (شرح صحیح بخاری)	علامہ بدر الدین عینی
۵۴۔	عورت	سیمون دی بووا (ترجمہ : یاسر جواد)
۵۵۔	عورت کا عائلی مقام	ممتاز جہاں بیگم صدیقی
۵۶۔	عورت کی حکمرانی اور اسلام	فخر الدین صدیق
۵۷۔	عورت کا المیہ	فاخرہ تحریم
۵۸۔	عورت اور اسلام	سید جلال الدین عمری
۵۹۔	عورت اور مباشرت	ایم۔اے۔زاہد
۶۰۔	عورتوں کی نفسیات	ایم استھر ھارڈنگ (ترجمہ : اسلام حسین)
۶۱۔	عورت جنس اور جذبات	سلیم اختر
۶۲۔	عورت اسلامی معاشرہ میں	سید جلال الدین عمری

۶۳۔	عورت جرائم کی دلدل میں	انعام الرحمٰن سحری
۶۴۔	عورت خواب اور خاک کے درمیان	کشور ناہید
۶۵۔	عورت بحیثیت حکمران	پروفیسر محمد یاسین شیخ
۶۶۔	عورت' قانون اور معاشرہ : عمل کی راہیں	شرکت گاہ، ویمن اینڈ لاء پاکستان
۶۷۔	عورتوں کے بارے میں قرآنی احکام	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
۶۸۔	عورت کا تقدس اسلامی معاشرہ میں	مشتاق احمد مشتاق دھول
۶۹۔	عورت اور دور جدید	منیر احمد خلیلی
۷۰۔	عورت کی عظمت	سید واجد حسین
۷۱۔	فیوض القرآن	سید حامد حسن بلگرامی
۷۲۔	فتاویٰ دار العلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن
۷۳۔	فتاویٰ شامی	علامہ ابن عابدین
۷۴۔	فقہ واصول فقہ	پروفیسر میاں منظور احمد
۷۵۔	فقہی مسائل	ڈاکٹر محمد صادق تہرانی (ترجمہ : سید نیاز محمد ہمدانی)
۷۶۔	قرآنی فیصلے	پرویز
۷۷۔	قوانینِ شریعت	ایس این غوری
۷۸۔	قرآن اور عورت	
۷۹۔	کتاب المغازی غزوہ احد	علامہ شبلی نعمانی
۸۰۔	منشور قرآن	عبدالحکیم ملک
۸۱۔	مسلم شریف	امام مسلمؒ
۸۲۔	مستدرک حاکم	امام حاکمؒ
۸۳۔	مجموعہ الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۸۴۔	میرے تاثرات	افضل النساء بیگم

۸۵۔	مسلمان عورت کے حقوق	علامہ راشد الخیریؒ
۸۶۔	مسلمان عورت	خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۸۷۔	مجموعہ قوانین اسلام (قانون ازدواج)	تنزیل الرحمٰن
۸۸۔	مسلمان عورت	ابوالکلام آزاد
۸۹۔	مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی	تیمیہ مٹھا، مسعود انور، نگہت سعید
۹۰۔	مینڈا سائیں	تہمینہ درانی
۹۱۔	مجھ پر سنگ اٹھاؤ	تیمیہ مٹھا، مسعود انور، نگہت سعید
		عاصمہ جاوید پال
		(ترجمہ: طاہرہ حبیب)
۹۲۔	یہ قوم کی ہیں بیٹیاں	خورشید آراء بیگم
۹۳۔	تاریخ اور عورت	ڈاکٹر مبارک علی
۹۴۔	اسلام میں خواتین کے حقوق	استاد شہید مرتضیٰ مطہری

1. **B**eated home wifes in Pakistan.
2. **M**ale Migration, Absentee Fathership and Changing Role of women in Village Communities.
3. **M**AHOMEDAN LAW.
4. **O**ffences Against Women Socio-legal Prespectives.
5. **P**articipation of women in rural Economic Activities in N.W.F.P.
6. **P**atterns of female Employment in mining and construction industries.
7. **P**urdah and the status of woman in Islam.
8. **S**tatus of Human Rights in 1995.
9. **S**taus of Women in Islam.
10. **T**he women of Pakistan.
11. **T**he Holy Quran on Human Rights.
12. **T**he Legal Status of Woman In Islam.
13. **W**omen, Law, and Society: An Action Manual for NGOs.
14. **W**omen's Rights in Islam.
15. **W**omen's Studies, Women's Lives.
16. **W**omenhood in America from colonial times to the present.
17. **W**oman In the Past, Present & Future.

Dr. Muhammad A. Rauf
Hafeez-ur-Rehman Ch.
Syed Anwar Iqbal
D.F. Mulla
K.Kumar, Punam Rani,
Mian M. Nazir,
Saiyeda Zia Al-Jalaly
Yameema Mitha,
Nighat Said Khan, Mansood
Anwar, Asmaa Javed
Pal
S. Abul A'ha Maududi
Human Rights Commission of
Pakistan.
A.Yusuf Ali
Farida Shaheed
Akhtar Khalid Bhatti,
Dr.Gul-e-Jannat
M.Y.Sddiqui
Cassandra Balchin
Muhammad Sharif Ch.
Committee on Women's
Studies in Asia
Mary P. Ryan

18. **W**omen in Islamic Shari'ah.
19. **W**omen and Law in Pakistan.
20. **W**omen of Pakistan.
21. **W**artime Women.
22. **W**oman and her Rights.
23. **W**oman and Islamic Law.
24. **W**omen in contral?

Sularata Mukherjee,

Sushila Ramaswamy

Maulana Wahiduddin Khan

Rashida Patel

Khawar Mumtaz, Farida Shaheed

Dorothy Sheridan

Allamah Murtaza Mutah-heri

Safia Iqbal

Frances Heidensohn.

تصدیق نامہ

میں نے اس کتاب میں درج قرآنی آیات واحادیث کو بغور پڑھا ہے، مجھے یقین ہے کہ ان کی کتابت کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ ان کے متن میں کوئی لفظی یا اعرابی کمی بیشی نہیں اور ہر قسم کی اغلاط سے مبرا ہیں۔

دستخط

حافظ محمد یوسف

پروف ریڈر

موتی مسجد جہانگیر روڈ کراچی

جنابِ محبت حسین اعوان صاحب نے اپنی اس کتاب میں پاکستانی آئین اور یہاں کی معاشرتی قدروں کی روشنی میں حقوقِ نسواں کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے واقعتاً اس کے لیے بڑا وسیع مطالعہ کیا ہے، پاکستان کے مختلف علاقوں اور قوموں میں عورت کے ساتھ روا رکھا جانے والے ظلم کی داستان بھی انہوں نے بیان کی ہے۔ اور پاکستان کے عائلی قوانین میں خواتین کو جو رعائتیں دی گئی ہیں، اُن کی بھی وضاحت کی ہے، کتاب کا یہ حصّہ بڑا مفید اور اپنے موضوع کے حوالے سے منفرد ہے۔

ابن الحسن عبّاسی
شعبۂ تصنیف
جامعۂ فاروقیہ
کراچی